اَنیس و دَبیر

فہرست مضامین

ڈیڈیکیشن

میں اپنی اس حقیر تالیف کو عالی جناب مصدر جود و کرم منبع لطف و اتم خان بہادر حاجی شیخ بشیر الدین صاحب رئیس اعظم میرٹھ کے نام نامی و اسم گرامی کے ساتھ بلحاظ اس کے کہ میری تمام اعلیٰ تعلیم جناب ممدوح کی مرہونِ منّت ہے۔ معنون و منسوب کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

نیاز آگین

اعجاز حسین چوہدری بی۔ اے

میرٹھ

میر انیس کے حالات زندگی

نام و مقام آپ کا اسم گرامی میر ببر علی تخلص انیس ہے۔ والد بزرگوار کا نام نامی میر محسن علی
خلیق ہے ولادت کا فخر سرزمین فیض آباد کو حاصل ہے۔

تحقیق

شاعری میراث میں پائی تھی۔ پندرہ سال کی عمر میں لکھنؤ آئے اور سرزمین لکھنؤ کچھ ایسی بھائی
کہ لکھنؤ ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ابتداً غزل کا شوق ہوا لیکن والد بزرگوار کے ارشاد
کے مطابق مرثیہ کی جانب توجہ فرمائی۔ اور آخری وقت تک اسی کو مایۂ ناز۔ متاع فخر اور سرمایۂ
دین و دنیا تصور کیا۔ اور جو کچھ کہا اور کیا خلوص نیت سے کیا اسی واسطے ابد الآباد تک قائم
رہنے والا نام چھوڑ گئے جب تک "ادب اردو" زندہ ہے اور "باد سموم" کے تند جھونکوں
سے محفوظ ہے۔ ان کا نام قلم و سخن میں سنہری حروف سے لکھا جائیگا۔ جو نام شکسپیر نے ڈرامہ
نویسی میں پیدا کیا ہے۔ اس سے زیادہ شہرت دوام میر انیس نے مرثیہ گوئی میں حاصل کی ہے۔
بہتر سال کی عمر میں ۱۲۹۱ھ میں اس دار فانی سے عالم قدس کی جانب سفر اختیار کیا۔

خصوصیات میر انیس کے کمال شاعری کا بڑا جوہر یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ انہوں نے
اردو شعرا میں سے سب سے زیادہ الفاظ استعمال کئے ہیں اور سینکڑوں
مختلف واقعات بیان کرنے کی وجہ سے ہر قسم اور ہر درجہ کے الفاظ استعمال کرنے پڑے تاہم
ان کے کلام میں غیر فصیح الفاظ نہیں پائے جاتے ہیں۔ جو الفاظ جس موقع پر خاص اتر سکتے
ہیں وہی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ان کا کلام بلاغت کی جان۔ فصاحت کی کان۔ سلاست
کی روح ہے۔ مناظر قدرت اور جذبات کی تصویر ہو بہو کھینچنا شاعر کا خاص کمال ہے یہ
میر انیس کا حصہ خاص ہے۔ مناظر قدرت میں سے آفتاب کے نکلنے کا

کا خاص ہے

آفتاب کا نکلنا

(انیس)

پھاڑا جو گریباں شبِ آفت کی سحر نے
پردے میں چھپایا رخِ روشن کو قمر نے
پیمانۂ خورشید لگا نور سے بھرنے
گردوں سے سفر موج کواکب لگی کرنے
تاباں جو رخ نیرِ افلاک ہوا تھا
ذرّوں سے زرافشاں ورقِ خاک ہوا تھا

افواج اعدا لڑنے کے واسطے طیار ہیں اور اپنی تعداد فوج اور قوت سپاہ پر غرور کر رہی ہیں اس وقت جناب قاسمؑ غیظ میں آجاتے ہیں اور افواج اعدا کو جواب دیتے ہیں۔

قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند
اللہ کو غرور و تکبر ہے ناپسند
حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سر بلند
نیزے کا بند باندھ کوئی چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

کیا زور تیر اور ہے کیسی ضرب او ذلیل
تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہے دلیل
جوہر خود اس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہو اصیل
کاٹے ہماری تیغ نے بازوی جبرئیل
جرأت میں ہم کسی کو بھلا کیا سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

تلوار کی تعریف

بجلی سی کوند کر جدھر آئی جھلا گئی
دم میں چراغِ راہِ ضلالت بجھا گئی
لشکر میں فرد فرد کو جوہر دکھا گئی
خوں سے بھرا نہ پیٹ تو لوہے کو کھا گئی

جوشن کو کاٹ جاتی تھی یوں آکے اوج سے
پیراک جس طرح نکل آتا ہے موج سے

گرمی کی شدّت

(انیس)

آبِ رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر ادھر اُدھر
مردم تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خسخانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

کوسوں کسی شجر میں نہ گل تھے نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی پھول کی ہر شاخ باردار

گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

مرزا سلامت علی دبیر

نام و مقام اسم گرامی سلامت علی۔ دبیر تخلص مولد دہلی تاریخ ولادت ۱۲۱۸ھ ہے ایام طفلی میں والد محترم کے ہمراہ لکھنؤ آئے فارغ التحصیل ہو کر میر ضمیر کی شاگردی اختیار کی۔ اور جو کچھ استاد سے حاصل کیا اُس کو توقع اور اُمید سے زیادہ بلند اور روشن کر کے دکھا دیا وہ نہ مٹنے والا نام پیدا کر گئے کہ جبتک "اردو زبان" باقی ہے ان کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی ۱۲۹۲ھ ماہ محرم الحرام میں رحلت فرمائی۔ اور اپنے ہی مکان میں

مدفون ہوئے۔

خصوصیات کلام شعر و سخن سے قدرتی مناسبت تھی۔ جو مرثیے ہیں بند سے آگے نہ بڑھتے تھے ان کو دو سو ڈھائی سو بند تک پہونچا دیا۔ کیا قادر الکلامی تھی کہ قلم جب چھوٹ گیا ہے تو پھر رکتا ہی نہیں ہے۔ الفاظ کی شوکت۔ مضامین کی آمد۔ اس میں جا بجا غم انگیز اشارے۔ درد خیز کنائے۔ المناک اور دلگداز انداز مرزا دبیر کے کلام میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں ہر

گرمی کی شدّت

(دبیر)

وہ دھوپ کہ مرغان ہوا کرتے ہیں نالا
بس ہاتھ دھرا قبضہ پہ اور پڑ گیا چھالا
بریاں ہوا دانہ بھی زراعت میں جو ڈالا
اس دھوپ میں اس لو میں گھڑی میں تشنہ والا
پانی کے عوض آگ برستی ہے زمیں پر
پر تیروں کی بوچھار ہے جسم تشنہ دیں پر

نایاب ہیں مرغان ہوا صورت عنقا
بیٹھے ہیں سراسیمہ چرندے لب دریا
بالائے فلک ایک پرندہ نہیں پیدا
پر اوج امامت کا ہوا رن میں ہے تنہا
کیا قہر ہے سایہ نہیں اور دھوپ کڑی ہے
کیا ظلم ہے پانی نہیں اور پیاس بڑی ہے

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں۔

آتش بدل بھنور میں تو موجیں ہیں شعلہ وش
آتے ہیں مچھلیوں کو حرارت سے غش پہ غش
سوز جگر سے مردم آبی ہیں نالہ کش
نوحہ ہے تین روز کا پیاسوں کا العطش
نزدیک ہے کہ زہد کو بے آبرو کریں
تر دامنی سے شہروں میں زاہد وضو کریں

آفتاب کا نکلنا

(از دبیر)

یوسف غریق چاہِ سیہ ناگہاں ہوا — یعنی غروب ماہ تجلّی نشاں ہوا
یونس وہاں ماہیِ شب سے عیاں ہوا — یعنی طلوع نیرِ مشرق ستاں ہوا
فرعونِ شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلیم اور یدِ بیضا تھا آفتاب

موازنۂ انیس و دبیر

موازنۂ انیس و دبیر پر ہزاروں اہل قلم نے خامہ فرسائی کی ہے۔ لیکن ابھی تک اس کا سلسلہ جاری ہے اور نہ معلوم کب تک جاری رہیگا۔ حضرات شعراء و مورخین کی مدت ہائے دراز کی غور و فکر، کدوکاوش، سعی و کوشش اور بحث و تکرار کے بعد بھی آجتک یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ ترجیح کا مسند نشیں کس کو کیا جائے۔ جب بڑے بڑے صاحبانِ علم و کمال اس میدان میں دوڑ دھوپ کرنے کے بعد ناکامیاب رہے اور کسی فیصلہ پر نہ پہونچ سکے تو مجھ جیسے کم علم کو اس مسئلہ میں لب کشائی تک کا موقع نہ تھا اور یہ خیال تھا کہ ہر دو شعراء کے خصوصیات کلام سوانح حیات میں تحریر کردئے جائیں وہ ارباب ذوق کو اپنے اپنے مقام پر صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں بڑی سہولت ہوجائیگی۔ لیکن یونیورسٹی امتحان کے نقطۂ نظر سے یہ سوال نہایت اہم ہے اس لئے اس کو نظر انداز کرنا بھی مناسب خیال نہ کیا اسلئے چند سطور لکھنے پر مجبور ہوا۔

قبل اس کے میر و مرزا کے کلام پر کوئی تنقید و تبصرہ یا موازنہ کروں یہ ظاہر کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ "مرثیہ گوئی" کی اجمالی تاریخ اور اسکو ہندوستان میں جو تدریجی ترقی حاصل ہوئی اُسکی

باہت چند سطریں ضرور لکھوں۔

مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ

شاعری کیا ہے؟ میرے نزدیک شاعری نام ہے "اظہار جذبات" کا عرب مرثیہ گوئی کا سرچشمہ ہے عرب کی شاعری کی ابتدا بالکل فطری اور نیچرل ہے۔ جذبات کا جوش ہمیشہ درد و غم۔ ملال و رنج میں زیادہ قوت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ مرثیہ اسی قوی تر جذبہ کا نام ہے۔ مرثیہ کا وقت و محل محض وہی ہے جبکہ شاعر کا دل و دماغ قطعی طور پر درد و غم سے لبریز ہو۔ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ ایک خاندان میں ایک متمول آدمی کے یہاں بڑی خواہشوں۔ بڑی آرزوؤں۔ بڑی تمناؤں۔ بڑی دعاؤں کے بعد ایک بیٹا پیدا ہوتا ہے۔ وہ لوگ اس کو بڑے ناز و نعم اور آرام و راحت کیسا تھ اس کی پرورش کرتے ہیں۔ خوش قسمتی سے بچہ بھی بڑا ہونہار۔ قابل۔ نیک سیرت اور سعید ثابت ہوتا ہے۔ اب اگر عین عالم شباب میں اس محبوب بیٹے کا واقعہ ارتحال رونما ہو جائے تو اسکے ماں باپ پر۔ اس کے نانا نانی پر۔ اس کے دادا دادی پر۔ اس کے عزیز و اقارب پر۔ اس کے دوست و احباب پر۔ اس کے اہل و عیال پر کیا اثر پڑے گا؟ ذرا اس نقشہ کی تصویر اپنے ذہن میں لائیے۔ ان میں وہ جسکو زیادہ محبوب ہوگا وہی زیادہ اس کی جدائی کی تکلیف سے اپنے آپ کو ہلاک کر دیگا۔ وہ حزن و ملال کریگا۔ آہ و بکا کرے گا گریہ و زاری کرے گا۔ اپنی جان کو ہلاک کرے گا۔ سر کو پیٹے گا۔ اس کی آہ و زاری لوگوں کو تڑپا دے گی وہ اپنے اس جوان العمر لڑکے کی اچھی عادتوں کو نیک خصلتوں کو یاد کر کے رو ئیگا۔ وہ اس کے محاسن اور اوصاف حمیدہ کا اظہار کرے گا۔ وہ اس کی خوبیوں کو بیان کرے گا۔ بہرکیف یہ روزمرہ کے مشاہدات میں سے ہے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ وہ سر تا پا جوش بن جائیگا۔ اب اگر وہ شاعر ہے تو اس کے مرثیے دلوں پر نشتر کا کام دیں گے:۔

پس معلوم ہوا کہ مرثیہ سے شاعری کی ابتدا ہوئی ہے اسلئے کہ "موت و حیات" ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے ہر ایک کو دوچار ہونا پڑتا ہے میرے نزدیک یہی ایک ایسی شے ہے جو خدا کی خدائی کو تسلیم کرانے میں کامیاب ہوئی ہے:۔

ہندوستان میں مرثیہ کی ابتدا

میں اس باب میں زیادہ اوراق لینا نہیں چاہتا تھا لیکن یہ بات بھی ضمناً ظاہر کردینی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان میں شاعری کی ابتدا غالباً ولی سے ہوئی۔ لیکن یہ صحت کیساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ مرثیہ کس کی اختراع ہے۔ گو ولی نے واقعات کربلا پر ایک مثنوی لکھی ہے لیکن اس کے کلام سے مرثیہ کا پتہ نہیں چلتا۔ اتنا ضرور معلوم ہے کہ سودا نے مرثیہ کو وسعت دی اور اس کے اشعار و بند میں اضافہ کیا۔ اور ان کے بعد میر صاحب۔ میر حسن۔ میر خلیق وغیرہ نے مرثیے لکھے۔ لیکن میرا ذاتی خیال ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے مرثیہ کو موجودہ طرز کا خلعت پہنایا وہ میر ضمیر ہیں جن کو میں مرثیہ کا موجد و مخترع خیال کرتا ہوں۔ آپ ہی نے تحت اللفظ پڑھنے کا طریقہ نکالا۔ ان کے بعد ان کے شاگرد رشید مرزا دبیر اور خلیق کے پسر سعید میر انیس نے ان بنیادوں پر ایک بلند و مستحکم عمارت کھڑی کردی۔ یہ عمارت اسقدر پائیدار اور مضبوط ہے کہ بارش و آندھی سے بالکل محفوظ رہنے والی ہے۔ مرثیہ کو معراج کمال تک پہونچانیکا فخر ان دونوں عظیم المرتبت ہستیوں کو حاصل ہے۔

موازنہ انیس و دبیر

میں پہلے عرض کرچکا ہوں کہ ان دونوں استادانِ سخن میں کس کو ترجیح دیجائے کا اب تک فیصلہ نہیں ہو سکا ہندوستان میں اب بھی ہزاروں ایسے حضرات موجود ہیں جو انیس کو دبیر پر اور سینکڑوں ایسے ہیں جو دبیر کو انیس پر ترجیح دینے کی سعی فرماتے ہیں۔ شاعری کس چیز کا نام ہے؟ کس واقعہ کے اظہار کا۔ کسی دلی حالت و جذبہ کے بیان کا۔ کسی کیفیت قلب کے اس طرح نقشہ کھینچنے کا کہ اُس منظر کی ہو بہو تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ شاعری میں دریا کی روانی۔ جنگل کی ویرانی۔ باغ کی شادابی۔ سبزہ کی لہک۔ پھولوں کی مہک۔ خوشبو کی لپٹ۔ نسیم کے جھونکے۔ دھوپ کی سختی۔ گرمی کی طپش۔ جاڑوں کی شدت۔ صبح کی شگفتگی۔ شام کی دلاویزی یا رنج و غم۔ غیظ و غضب۔ جوش و محبت۔ افسوس و حسرت۔ عیش و طرب۔ استعجاب و حیرت۔ ان چیزوں کا اس طرح بیان کرنا کہ وہی کیفیت دلوں پر چھا جائے۔ اسی کا نام شاعری ہے ہم کو دیکھنا چاہئے کہ اس کے ساتھ ساتھ الفاظ میں فصاحت بلاغت سلاست روانی۔ بندش میں چستی اور چستی کیساتھ

بے تکلفی و لا دیری اور برجستگی، لطیف اور نازک تشبیہات او راستعارات اصول بلاغت کے مراعات ان تمام اوصاف میں کونسی چیز مرزا دبیر میں پائی جاتی ہے اور کونسی چیز میر انیس میں موجود ہے۔ علامہ شبلی کی رائے ہے کہ فصاحت مرزا دبیر کے کلام کو چھو بھی نہیں گئی۔ بلاغت نام کو نہیں ہے کسی چیز یا کسی کیفیت یا حالت کی تصویر کھینچنے سے وہ بالکل عاجز ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ "فصاحت و بلاغت" "خیال آفرینی اور مضمون بندی" میں سے مرزا دبیر کے کلام میں کچھ بھی نہ ہو لیکن علامہ شبلی شوکت الفاظ، مضامین کی آمد، اس میں جا بجا غم انگیز اشارے اور کنائے المناک و دلگداز انداز جو مرثیہ کی جان ہیں میر انیس کے یہاں کہاں سے لائینگے ہاں اس چیز میں مرزا دبیر میر انیس سے ممتاز ہیں مجھے اس سے قطعی انکار نہیں کہ میر انیس زبان کی صفائی، بندش کی چستی اور مناظر قدرت کی صحیح تصویر کھینچنے میں مثل نہیں رکھتے لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا۔ ہر شاعر کی طبیعت جداگانہ ہوتی ہے۔ اور انداز بیان۔ اور طرز مذاق مخصوص قسم کا ہوا کرتا ہے ایک چیز ایک کے یہاں افراط سے ملے گی دوسرے کے یہاں اُس سے کم یہی حال میرے نزدیک میر مرزا کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا فیصلہ نہ ہوسکا کہ ان "شہسواران سخن" میں سے کس کے سر پر ترجیح کا تاج زریں رکھا جاوے۔ اور میں اپنے اس موازنہ کو اس طرح ختم کرتا ہوں کہ۔

"ہر طرز میں جو خوب کہے خوب ہے وہ"

تلمیحات

حضرت عباسؑ حضرت امام حسینؑ کے بھائی ہیں۔ بڑے شجاع و بہادر ہیں۔ واقعۂ کربلا کے وقت آپ کی عمر غالباً بتیس سال سے زائد نہ تھی۔ زنان ہاشمی آپکی شجاعت و دلیری پر فخر کیا کرتی تھیں۔ خوبصورت اسقدر تھے کہ "قمر بنی ہاشم" کے نام سے موسوم تھے۔ نہایت مخلص اور جان نثار بھائی تھے۔ نہر فرات پر پانی لینے کیواسطے گئے تھے اور وہاں کی فوج

سے مقابلہ ہوا تو آپ نے تین سو سے زائد افراد دشمن قتل کئے۔

حضرت زینب — حضرت امام حسینؑ کی بہن ہیں۔ آپ کو اپنے برادر محترم سے بڑی کا نسبت و محبت تھی۔ آپنے اپنے دو صاحبزادوں عون و محمد کو امام پر نثار کر دیا۔

حضرت صغریٰ — امام علیہ السلام کی چھوٹی صاحبزادی ہیں جس وقت آپ سفر کو اختیار فرما رہے ہیں آپ علیل تھیں اس لئے حضرتؑ نے جناب صغریٰ کو مدینہ ہی چھوڑ دیا۔

حضرت سکینہ — امام حسینؑ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں جو قید خانہ کی تکالیف سے انتقال کر گئیں۔ آپ کی درخواست پر حضرت عباسؑ مشک لیکر جانب فرات تشریف لے گئے تھے۔

حضرت علی اکبر — امام حسینؑ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ان کو حضرت زینب نے پالا تھا یہی وجہ تھی کہ امامؑ حضرت زینب کا بڑا احترام کیا کرتے تھے۔

حضرت علی اصغر — امام شہید کے شش ماہہ صاحبزادے ہیں جن کو دشمنوں نے امام کی گود میں شہید کیا۔

حضرت سجاد — امام زین العابدین جو بیماری کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے تھے دشمن آپ کو ہتھکڑیاں پہنا کر شام تک لے گئے تھے۔

حضرت شہر بانو۔ امام حسین کی حرم محترم اور نوشیرواں کی پوتی تھیں۔

جناب حر — یزید کے رسالہ کے سپہ سالار تھے۔ لیکن خدا کی ہدایت کے بموجب امام عالیمقام کی فوج میں آکر شامل ہو گئے۔ اور بڑی بہادری و دلیری سے لڑے۔

ذوالفقار — ایک شمشیر تھی جسکو جناب رسالتمآب نے حضرت علی کو عطا فرمائی تھی۔

نیاز آگیں۔ اعجاز جارچوی بی اے۔

سیول لائنز میرٹھ۔ فروری ۱۹۳۳ء۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح　　گلزار شب خزاں ہوا آئی بہار صبح
(۱)
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح　　سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گزار صبح
تھا چرخ اخضری پہ یہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

چلنا وہ باد صبح کے جھونکوں کا دمبدم　　مرغانِ باغ کی وہ خوش الحانیاں بہم
(۲)
وہ آب و تابِ نہر وہ موجوں کا پیچ و خم　　سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

وہ نور صبح اور وہ صحرا وہ سبزہ زار　　تھے طائروں کے غول درختوں پہ بےشمار
(۳)
چلنا نسیم صبح کا رہ رہ کے بار بار　　کوکو وہ قمریوں کی وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغ بہشت نعیم کے
ہر سو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں　　تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤس آسماں
(۴)
ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں　　نہر فرات بیچ میں تھی کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ باران نور تھی

اوج زمیں سے پست تھا چرخ زبرجدی　　کوسوں تھا سبزہ زار سے صحرا زمردی
(۵)
ہر خشک و تر پہ تھا کرم بحر سرمدی　　بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی
روکے ہوئے تھے نہر کو امت رسول کی
سبزہ ہرا تھا خشک تھی کھیتی بتول کی

وہ پھولنا شفق کا وہ مینائے لاجورد (۶) مخمل سی وہ گیاہ وہ سبز و سرخ زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

تھا بسکہ روزِ قتلِ شہِ آسماں جناب نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب (۷) روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ ہر سو جما رہا تھا صفیں شمرِ روسیاہ
گیتی کو تہلکہ تھا یہ تھی کثرتِ سپاہ (۸) ممکن نہ تھا کہ ہو گذرِ طائرِ نگاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہِ کائنات پر
طوفانِ آب تیغ اٹھا تھا فرات پر

اک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر لچکا رہے تھے ڈانڈ سوارانِ خیرہ سر
وہ بوڑیاں جو سنگ کے دل میں کریں گذر (۹) انیاں وہ توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
تھا اک گلا تو خنجرِ بے پیر کے لئے
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ شبیر کے لئے

ناوک فگن لیے ہوئے حلقے کمان کے چلاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دشمن ہیں بادشاہِ دو عالم کی جان کے (۱۰) دم لیں گے جسمِ شاہ کو تیروں سے چھان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمد کی آل کا
ہمی یہ خوں بہائیں گے زہرا کے لال کا

جب بندھ چکیں صفیں تو علم کھل گئے تمام (۱۱) غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہِ امام

حلقے میں اہل بیت کے روتے تھے باں امام　　لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوئے نیک نام
بکھرائے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے
گلے میں شاہ دین کے سکینہ کے ہاتھ تھے

زینب بلک رہی تھی پریشاں تھے سر کے بال　　نعلین کا تھا ہوش نہ چادر کا تھا خیال
سینہ کبود چاک گریباں شکستہ حال　(۱۲)　کہتی تھی مجھ پہ رحم کرو اے فاطمہ کے لال
پوچھے گا کون ساتھ چھٹے گا جو آپ کا
نے ماں کا آسرا ہے مجھے اب نہ باپ کا

زینب کے اضطراب پہ شہ روئے زار زار　　فرمایا اے بہن تیری الفت کے میں نثار
یاد آ گیا حسین کو اس وقت ماں کا پیار　(۱۳)　لیکن میں کیا کروں نہیں کچھ میرا اختیار
واللہ اپنے قول کا ہر دم خیال ہے
بھیا حسین مخبر صادق کا لال ہے

بچپن میں جو زباں سے کہا ہے کریں گے ہم　　کھائیں گے تیر ظلم لہو میں بھریں گے ہم
حلق اپنا زیر خنجر قاتل دھریں گے ہم　(۱۴)　امت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
اب ہاتھ اٹھاؤ فاطمہ کے نور عین سے
ہوگی کبھی نہ وعدہ خلافی حسین سے

یہ سن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر　　لپٹا لیا گلے سے بہن کو بچشم تر
رو کر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر　(۱۵)　زینب خدا کے واسطے پیٹو نہ اپنا سر
خاصان حق کا خلق میں رتبہ بلند ہے
صابر رہو کہ صبر خدا کو پسند ہے

فرما کے یہ سکینہ کے منہ پر نگاہ کی　　گودی میں لے لیا اسے اور دل سے آہ کی
بولی بلائیں لے کے وہ رخسار شاہ کی　(۱۶)　سمجھی میں آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی

رونا یہ بے سبب نہیں منہ موڑ موڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے

(۱۷)
معلوم ہو گیا کہ نہ اب آئیے گا آپ — چھاتی پہ سونے والی کو تڑپائیے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ پھر پائیے گا آپ — میں اپنی جان دوں گی اگر جائیے گا آپ
فرقت میں مجھ کو جی سے گزرنا قبول ہے
اچھا سدھارو گر مرا مرنا قبول ہے

(۱۸)
منہ چوم کے یہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال — صدقے عقیق لب پہ ترے فاطمہ کا لال
معلوم ہے حسینؑ کو بی بی تمہارا حال — کیونکر نہ روؤں میں قلق ہے مجھے کمال
ان برگِ گل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو
سولہ پہر ہوئے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو

(۱۹)
تدبیر اک نکالی ہے آنسو نہ اب بہاؤ — ہم پانی لینے جاتے ہیں تم ماں کے پاس جاؤ
سوکھی زباں دکھا کے نہ شبیر کو رلاؤ — بی بی خدا کے واسطے تم سے ہاتھ اٹھاؤ
حق
حق سے کہو بتول کے جانی پہ رحم کر
یارب ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر

(۲۰)
ناچار شہ کی گود سے اتری وہ رشکِ حور — روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پھیلی زمیں پہ روشنیِ آفتابِ نور — پڑھنے لگے درود رفیقانِ ذی شعور
چوما ادب سے پایۂ امامِ انام کو
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

(۲۱)
حق کے ولی مصاحبِ سردارِ انس و جن — کوئی جوان کوئی متوسط کوئی مسن
فاقوں میں باحواس لڑائی میں مطمئن — کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو

قربان ہوں حسین پہ رن میں تو عید ہو

(٢٢)

وہ گورے گورے جسم قبائیں وہ تنگ تنگ — جس کی صفا کو دیکھ کے ہو آئینہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاح جنگ — جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا بھی کہیں تو الٹ دیں زمین کو

(٢٣)

تھے اک طرف عزیز شہ آسماں وقار — تھا جن کی چاہ میں دل یوسف بھی بیقرار
جانباز سر فروش بہادر وفا شعار — ایک ایک رونق چمنستان روزگار
ہر چند باغ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

(٢٤)

خلق و مروت حسنی اُن پہ ختم تھی — حُسن اُن پہ ختم گلبدنی اُن پہ ختم تھی
زور اُن پہ ختم تیغ زنی اُن پہ ختم تھی — ہر معرکہ میں صف شکنی ان پہ ختم تھی
غازی تھے صف شکن تھے جری تھے دلیر تھے
جس میں علی رہے اُسی بیشہ کے شیر تھے

(٢٥)

اُن سب گلوں میں اک علی اکبر سا گلبدن — تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
رخسار سے بہم تھے جو گیسوئے پُر شکن — حیران تھے سب کہ مل گئے کیونکر حلب ختن
سُرخی تھی لب پہ گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جو غور سے تو مین بھی قریب تھا

(٢٦)

کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ دمبدم — عرصہ ہے کیا سوار ہوں اب قبلۂ اُمم
آمادۂ وغا ہے ادھر لشکر ستم — دشمن اگر بہت ہیں تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد برق تیغ سے جل جائیں تو سہی
دب دب کے مورچوں سے نکل جائیں تو سہی

کہتے تھے اشک بھر کے امام فلک جناب — صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب
(۲۷)
دوروز سے ملا نہیں میرے چمن کو آب — جی بھر کے دیکھ لوں علی اکبر ترا شباب
طاقت نہیں کلیجے میں شبروں کے داغ کی
پیارے میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

قربان احتشامِ علمدارِ حق شکوہ — لرزاں تھا جس جری کے تہور سے دشت و کوہ
(۲۸)
سردار صفدروں کا دلیروں کا سرگروہ — حمزہؑ کا دبدبہ اسد اللہ کا شکوہ
دل کانپتے تھے دیکھ کے تیور دلیر کے
گویا سپاہ شام تھی پنجے میں شیر کے

اک سو چراغ محفلِ شبیرؑ تھا جلوہ گر — روشن تھے جس کے چہرۂ انور سے دشت و در
(۲۹)
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرت قمر — تن تن کے جھومتا تھا مگر مثل شیر نر
جرأت نثار ہوتی تھی اس سرفروش پر
شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر

تلوار تول تول کے دست حنائی میں — کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اس لڑائی میں
(۳۰)
حاصل تھا ہاتھ کو ید بیضا صفائی میں — اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا کلائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے تار نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتیلیاں آئینہ ماہ کو

تھے پہلوئے حسین میں زینبؑ کے دونوں لال — گویا قرین بدر تھے دو نجم بے مثال
(۳۱)
کاندھوں پہ پیچھے نظر آتے تھے دو ہلال — ظاہر تھا چتونوں سے ید اللہ کا جلال
نو دس برس کا سن تھا مگر کیا دلیر تھے
بچے بھی شیر حق کے گھرانے کے شیر تھے

دونوں یتیم حضرت مسلم تھے کیا عقیل (۳۲) حاضر تھے باادب عقب سرور جلیل

آپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل
ہم کو فیوں کو ماریں گے عمر یہ ہیں کو قلیل
گھر سے طلب کیا تھا اسی اعتقاد پر
لعنت خدا کی مذہب ابن زیاد پر

مہماں سے یہ سلوک مسافر سے یہ دغا
یہ ظلم اک غریب یہ بیکس پہ یہ جفا
لیجا کے بام پر سرِ انوار کیا جدا
(۳۳) خندق میں تن کو پھینک دیا وا مصیبتا
ایسی کبھی وکیل پہ آفت پڑی نہیں
سنتے ہیں ہم کہ لاش بھی اب تک گڑی نہیں

اس فوج میں یقیں ہے کہ ہو گا وہ روسیاہ
مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
منت پہ اُن غریبوں کی مطلق نہ کی نگاہ
(۳۴) سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لیے سنگدل نے آہ
پائیں ابھی تو کشتۂ تیغ دو دم کریں
ہم نیچوں سے ہاتھوں کو اُس کے قلم کریں

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گلعذار
جو صدر زیں پہ مصدرِ رحمت ہوا سوار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار (۳۵) آگے بڑھے علم لیے عباس نامدار
پھولا ہوا چمن تھا امام اُمم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

اللہ رے فیض جلوۂ ابن شہ نجف
رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعت شرف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جمائے صف (۳۶) بس یک بیک بجا دہلِ جنگ اُس طرف
گیتی لرز گئی دلِ اوتاد ہل گئے
تیر ستم کمانوں کے چلّوں سے چل گئے

لشکر سے تب بڑھا پسر سعد چند گام
چلے میں رکھ کے تیر یہ سب سے کیا کلام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوج شام (۳۷) میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوئے امام

ہے شاق مجھ کو خلق میں جینا حسینؑ کا
کیا شاد ہوں ہدف ہو جو سینہ حسینؑ کا

(۳۸)
لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر ۔ یکبار فوج شہ پہ چلے دس ہزار تیر
بے جاں ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر ۔ لاشوں پہ اُن کے روئے امام فلک سریر
اُفتادہ خاک و خوں میں وہ اہل تمیز تھے
یاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

(۳۹)
جس وقت خاتمہ رفقا کا ہوا بخیر ۔ تھے پھر تو سب عزیز نہ تھا اُن میں کوئی غیر
روتے تھے حالِ فخرِ سلیماں پہ وحش و طیر ۔ کرنے لگے عزیز بھی ملکِ عدم کی سیر
ماتم ہوا حرم میں امام جلیل کے
تیغوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقیل کے

(۴۰)
راہی سوئے عدم ہوئے جس دم وہ بے پدر ۔ نکلے وغا کو زینب ذی جاہ کے پسر
مانند شیر حق کے کئے حملے اِدھر اُدھر ۔ کٹ کٹ کے نیچوں سے گرے سرکشوں کے سر
الٹیں صفیں جدھر وہ دمِ جنگ پھر پڑے
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

(۴۱)
ناگاہ گھر میں آن کے فضّہ نے دی خبر ۔ لو کام آئے زینب ناشاد کے پسر
رن میں گئے ہیں اکبر و عبّاس نامور ۔ روتے ہیں بھانجوں کے لئے شاہِ بحر و بر
رن سے بہن کے بیٹوں کو شبیر لائیں گے
صف ماتمی بچھاؤ کہ لاشے اب آئیں گے

(۴۲)
دوڑے حسینؑ جانب مقتل باشک و آہ ۔ آنکھوں کے سامنے ہوئے بیدم وہ رشک ماہ
مردوں کو بھانجوں کے اُٹھا لائے گھر میں شاہ ۔ سر پیٹے اہل بیت رسولِ فلک پناہ
زینب مگر نہ روئی ادب سے امام کے

چُپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

باہر امام لے گئے لاشے اُٹھا کے جب — غیرت کا جوش آگیا قاسم کی ماں کو تب
کل مل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب — (۴۳) ہمشکل مصطفےٰ کہیں مرنے نہ جائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

دل میں یہ سوچتی ہوئی اُٹھی وہ خوش خصال — قاسم کو اپنے پاس بلایا بصد ملال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبےٰ کے لال — (۴۴) کچھ اس ضعیف ماں کی بھی عزت کا ہے خیال
جاری ہیں اشک خوں مری چشم پر آب سے
زینب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

گھر لٹ رہا ہے فاطمہ زہرا کا ہائے ہائے — دشمن وہ دوست ہے جو اس دکھ میں کام آئے
غیروں نے یاں حسین کے قدموں پہ سر کٹائے — (۴۵) کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا نہ مرنے جائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
منہ دیکھتے ہو کیا تمھیں پالا ہے شاہ نے

سب مر چکے امامِ دو عالم کے اقربا — باقی ہے کون اکبر و عباس کے سوا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا — (۴۶) سر اُن کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا
تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے
شرمائیں گے حسنؑ بھی محمدؐ کے سامنے

جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد — کچھ اپنے باپ کی بھی وصیت ہے تم کو یاد
جلدی دلہن سے مل کے سدھارو پئے جہاد — (۴۷) قرباں ہو چچا پہ یہی ماں کی ہے مراد
بیاہا تمھیں بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

مادر کے منہ کو دیکھ کے بولا وہ گلعذار ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقت کارزار
جائیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار (۴۸) رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار
رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے کہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

اب نہ بھی اگر نہ دیں گے رضا سرور امم رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
اماں مزار کشتہ ستم کی ہمیں قسم (۴۹) زیر قدم ہے اب کوئی دم میں رہ عدم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہ سوار ہوں
عبّاسؑ ہوں کہ اکبرؑ عالی وقار ہوں

یہ کہہ کے آئے سر کو جھکا کے دلہن کے پاس آنکھوں میں اشک درد کلیجے میں دل اداس
فرمایا ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس (۵۰) سب مر گئے عزیز شہنشاہ حق شناس
بستی تمام لٹ گئی ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا وہ عزاخانہ ہو گیا

کس سے کہیں جو حال دل دردناک ہے تلوار چل رہی ہے جگر چاک چاک ہے
اس زندگی پہ حیف ہے دنیا پہ خاک ہے (۵۱) اب کوئی دم میں دلبر زہرا ہلاک ہے
آئی تباہی آل نبی کے جہاز پر
نرغہ ہے شامیوں کا امام حجاز پر

تم بھی کچھ اپنے باپ کی اس دم کرو مدد آفت میں آج ہے پسر ضیغم صمد
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روز بد (۵۲) صدقے کرو ہمیں کہ بلا ان کی ہوئے رد
راضی رضائے حق پہ بصد آرزو رہو
حیدر سے ہم بتول سے تم سرخرو ہوئے

واللہ قتل ہوں گے جو عبّاسؑ نامور (۵۳) صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبیرؑ کی کمر

اکبر خدانخواستہ مارے گئے اگر مرجائیں گے تڑپ کے شہنشاہ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
ہم کیا پلے ہیں لاش اٹھانے کے واسطے

سوچو تمہیں گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں فریاد فاطمہ کی صدائیں سنا کریں
رخصت کرو تو فوج ستم سے وغا کریں (۵۴) کھولو جو لعل لب تو گہر ہم فدا کریں
صاحب ہمیں سپرد عروس اجل کرو
مشکلکشا کی پوتی ہو مشکل کو حل کرو

گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رخ کا نور پاس اب نہ آ سکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
آنکھوں پہ ہیں ہتھیلیاں رقت کا ہے وفور (۵۵) نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملنا یہ کیا ضرور
جینے کی اس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے
بلبل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

صاحب بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب ہم یوں ہیں جس طرح کہ سر آب ہو حباب
ایسی روا روی میں ٹھہرنے کی کب ہے تاب (۵۶) کھینچی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب
رستہ ہے پر خطر کہیں وقفہ ذرا نہ ہو
منزل بہت کڑی ہے یہ جلدی روانہ ہو

اک دم کی بھی ہمیں تو جدائی ہے تم سے شاق کیا کیجئے نصیب میں تھا صدمۂ فراق
لائی اجل پکڑ کے گریباں سوئے عراق (۵۷) بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق
چپکی یونہی رہو گی تن پاش پاش پر
کیا بین بھی کرو گی نہ دولہا کی لاش پر

جب یہ سنے کلام تو جی سنسنا گیا دل پر چھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
منہ پر دلہن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا (۵۸) جوش بکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا

دولھا کو اتنی بات سنا کر اک آہ کی
صورت بتاتے جاؤ ہمارے بناہ کی

(۵۹)
سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھر نکلے رن سے تم
پیاسا گلا کٹا کے ملو گے حسن سے تم
سوؤ گے منہ چھپا کے لحد میں کفن سے تم
اچھا سلوک کرتے ہو صاحب دولہن سے تم
اک رات کی بنی پہ جفا یونہی چاہیئے
اے شمع بزم مہر و وفا یوں ہی چاہیئے

(۶۰)
فریاد کیا کریں جو نہ روئیں بدرد و یاس
نے باپ کی نہ بھائیوں کی نے چچا کی آس
مہلت ہیں کوئی دم کے جہاں ہیں وہ حق شناس
سونپا تھا آپ کو سو رہے آپ بھی نہ پاس
وارث ہے کون پھر جو لگے سب کے کٹ گئے
تم کیا کرو نصیب ہمارے الٹ گئے

(۶۱)
میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ
راضی ہیں ماں تمھاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اجاڑ ہو چکا جنگل کو اب بساؤ
نبہ جائے گا ہمارے رنڈاپے کا غم نہ کھاؤ
مسکن کریں گے رن میں تن پاش پاش پر
ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پر

(۶۲)
باتیں یہ سن کے روتے تھے قاسم بحال زار
ہل من مبارز کی صدا آئی ایک بار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گلعذار
موقع نہیں ہے دیر کا: اٹھو یہ ماں نثار
کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

(۶۳)
فرما کے الوداع اٹھا دلبر حسن
برہم ہوئی وہ بزم وہ صحبت وہ انجمن
غل پڑ گیا کہ لٹتی ہے اک رات کی دولہن
اس وقت سب سے دولھا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی

رخصت ہے بیوۂ زنِ بیوہ کے لال کی

جاتا ہے سر کٹانے کو رن میں یہ رشکِ ماہ
تو میں نے دودھ بخش دیا سب ہیں گواہ
دنیا میں یادگار رہا حشر تک یہ بیاہ (۶۴)
دو رانڈیں ایک جا ہوں یہ تھی مرضیٔ الٰہ
سمجھے نہ اب کوئی کہ دلہن بی عزیز ہوں
کل تک تھی ساس آج سے اس کی کنیز ہوں

جب خیمۂ حسین سے نکلا حسنؑ کا لال
دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بصد ملال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہہ کر وہ خوش خصال (۶۵)
دیجے رضائے حرب مجھے بہرِ ذوالجلال
چلائی ماں کہ سبطِ پیمبر نہ روکیو
شبیر نے دی صدا کہ برادر نہ روکیو

لپٹا کے اس کو چھاتی سے بولے شہِ امم
پیارے تمھارا داغ بھی دل پر سہیں گے ہم
یہ پیش و پس ہے منزلِ ہستی میں کوئی دم (۶۶)
تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو راہ ہے خنجر کی دھار پر
ہر دم خدا کا فضل ہے اس خاکسار پر

یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا ایک بار
روئے مثالِ ابر شہِ آسمان وقار
تر آنسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار (۶۷)
تسلیم کر کے قاسمِ گلرو ہوئے سوار
دکھلا کے نورِ رخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

پہنچا جو رزم گاہ میں وہ غیرتِ قمر
نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا ادھر ادھر
بولے عدو یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر (۶۸)
خورشیدِ خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اللہ ری چمک رخِ پُر آب و تاب کی
سہرہ بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

کیوں وصفِ لعلِ لب میں حلاوت بیاں کرے لب — ہے ہیچ خواں کو قند مکرر ثنائے لب
(۶۹)
شیریں لبوں کے ہیں لبِ شیریں فدائے لب — دیکھے یہ لب تو یوسفِ مصری چبائے لب
ترکِ ادب ہے اس کی ثنا اس طریق سے
دھونا زباں کو چاہیئے آبِ عقیق سے

دنداں محیطِ نور کے ہیں گوہرِ خوش آب — براق اس قدر ہیں کہ ہے برق کو حجاب
(۷۰)
ان سے مقابلہ کی نہیں اختروں کو تاب — تسبیح موتیوں کی یہ سمرن ہے انتخاب
حیراں ہے چشمِ نور ظہور اُن کا دیکھ کر
دانا درود پڑھتے ہیں نور ان کو دیکھ کر

ناگہ رجز پڑھنے لگے قاسمِ جری — عالم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
(۷۱)
ہم حیدری ہیں ہم میں ہے زورِ غضنفری — ہم سے ہے اوجِ پایۂ اورنگِ صفدری
شہرہ ہے حرب و ضرب شہِ خاص و عام کا
سکہ ہے شش جہت میں ہمارے ہی نام کا

جد ہے مرا امیرِ عرب شحنۂ نجف — ضرغامِ دیں معینِ رسولانِ ماسلف
(۷۲)
دادی جنابِ فاطمہ زہرا سی ذی شرف — عمو حسین صاحبِ لولاک کا خلف
میں پارۂ دلِ حسنِ خوش خصال ہوں
ہیرے سے جو شہید ہوا اُس کا لال ہوں

اُس کا پسر ہوں اے سپہِ مصر و روم و شام — گلزارِ فاطمہ کا ہے جو سروِ سبز فام
(۷۳)
والد اُسی کا لختِ جگر ہوں میں تشنہ کام — تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
جانی اُسی کا ہوں میں جس کو نہ جاگیرِ جد ملی
پہلو میں مصطفےٰ کے نہ جس کو لحد ملی

ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے (۷۴) تیر و سناں و نیزہ و خنجر بہم چلے

قاسم بھی یاں سے کھینچ کے تیغ دو دم چلے　　اعدا پہ چھوڑ کر فرس خوش قدم چلے
پیدل تو اُس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

ڈھالیں اٹھیں کہ دن شب دیجور ہو گیا　　لامع جو برق تیغ ہوئی نور ہو گیا
حیراں ہر ایک ظالم مقہور ہو گیا　(۷۵)　چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اس طرح مر گئے
گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اتر گئے

تھا ابن سعد شوم کو اس دم بہت ہراس　　غرق سلاح ازرق شامی کھڑا تھا پاس
اُس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس　(۷۶)　تو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رکتا ہے برچھیوں سے نہ دام کمند سے
جلدی سناں پہ اُس کو اٹھا لے سمند سے

کہنے لگے بگڑ کے وہ با صد غرور و لاف　　تو آپ بے حواس ہے تقصیر ہو معاف
یہ امر اے امیر شجاعت کے ہے خلاف　(۷۷)　ہاں تب لڑوں علیؑ اگر آئیں پئے مصاف
فرق آئے گا نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں

ڈرتے ہیں سب جری مری جنگ و جدال سے　　رستم کا زور کم ہے مرے کم ہے زال سے
رکتی نہیں یہ تیغ تہمتن کی ڈھال سے　(۷۸)　ناداں ہوں کیا لڑوں میں جو اس خورد سال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں سور ہیں صفدر ہیں شیر ہیں

لکھا ہے چار تھے پسر ازرق پلید　　دشمن تو آل پاک کے شیطان کے مرید
بولا یہ اُن کو دیکھ کے وہ پیرو یزید　(۷۹)　ہاں جا کے اس یتیم کو جلدی کرو شہید

رلواؤ قبر میں حسنؑ دل ملول کو
بیوہ بنادو دختر سبط رسول کو

یہ چاند مجتبےٰ کا ہے خوں میں اسے ڈباؤ — تلواریں مارو ذبح کرو برچھیاں لگاؤ
انعام دوں یہ جنگ اگر فتح کر کے آؤ — سہرے سمیت کاٹ کے دولھا کے سر کو لاؤ (۸۰)
خلعت ملیں گے جاؤ گے جس دم سلام کو
سر اس کا نذر دیجیو تحفیں میر شام کو

نکلا یہ بات سنتے ہی ان میں سے ایک یل — پیچھے چلی شریر کے ہنستی ہوئی اجل
نعرہ کیا یہ غیظ سے موذی نے کھا کے بل — ہاں اے حسنؑ کے لال خبردار ہو سنبھل (۸۱)
کام آئے کچھ تو نام شہ ذوالفقار لے
پستی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے

قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار — امداد وقت جنگ ہے شیروں کو ناگوار
کافی ہے بس ہمیں سپر حفظ کردگار — او خیرہ سر اجل تری گردن پہ ہے سوار (۸۲)
دشمن کو اپنے ضرب طمانچہ قضا کا ہے
آ کوئی وار کر جو ارادہ دغا کا ہے

یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر — چلے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
تھا اب کہ تیز دست حسنؑ کا مہ منیر — بجلی سی آئی کوند کے شمشیر بے نظیر (۸۳)
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

اک ہاتھ میں جو کٹ کے گرے دست نابکار — بولے کمر میں رکھ کے یہ شمشیر آبدار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ او خطا شعار — پکڑا کماں کے قبضہ کو بہ کے استوار (۸۴)
چلّہ جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے

رستم کی روح چھپ گئی تودے میں خاک کے

چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیر بے اماں — قربان تیرے ہاتھ کے چلائی یہ کماں
بچتی ہے کب خدنگ اجل سے کسی کی جاں (۸۵) نکلا وہ تیر توڑ کے سینہ کے استخواں
اک دم میں دی شکست خطا کو ثواب نے
غل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

مرکب سے گر کے مر گیا جب وہ عدوئے دیں — نکلا ادھر سے تب پسر ثانی لعیں
نیزے کو تولتا ہوا مغرور خشمگیں (۸۶) ابرو پہ بل نگاہ میں قہر اور جبیں پہ چیں
ہمراہ اُس کے تیغ بکف سو سوار تھے
اور اُس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند — بجلی سا کوندنے لگا دولھا کا بھی سمند
نیزہ اڑا کے نیزے سے کی یہ صدا بلند (۸۷) کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکل کشا کے بند
یہ سن کے اس لعیں نے ڈھال کو چہرے پہ گو لیا
تیلی کو بے حیا کی سناں میں پرو لیا

بے کار کور ہو کے ہوا جب وہ خیرہ سر — جھٹکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
آواز دی زمیں نے کہ فی النار والسقر (۸۸) جا تو بھی ہے برادرِ عینی تیرا جدھر
جز موت کچھ شقی کو نہ اس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنم نظر پڑا

جھپٹا برادرِ سوم اس کا بکبر و فر — تانے ہوئے وہ گرزِ گراں سر کہ الحذر
یاں بہر حفظ دستِ یداللہ تھے سپر (۸۹) تیغ دو دم کو شیر نے تولا بچا کے سر
یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو
جس طرح تیغ تیز اڑا دے خیار کو

مرتے ہی اُس کے فوج سے جو تھا پسر بڑھا — قاسم پکارے او لعیں خود سر کدھر بڑھا
سنتے ہی یہ وہ تیغ دو دم کھینچ کے بڑھا (٩٠) جھنجھلا کے مجتبےٰ کا بھی لخت جگر بڑھا
لڑتا وہ کیا کہ تیر اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا نہ بازو نہ شانہ تھا

بے جان ہوئے ہزدہیں بیٹے جو اُسکے چار — ازرق کا دل ہوا صفت لالہ داغدار
جوشِ غضب سے سرخ ہوئیں چشم نابکار (٩١) مثل تنور منہ سے نکلنے لگا بخار
جیب قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

شلنے پہ تھی شقی کے وہ دوٹانک کی کماں — ارجن بھی جس سے سہم کے گوشہ میں ہو نہاں
چار آئینہ وہ پہنے تھا بر میں کہ الاماں (٩٢) دب جائیں جسکے بوجھ سے رستم کے استخواں
کہتی تھی یہ زرہ بدن بد خصال میں
جکڑا ہے فیل مست کو لوہے کے جال میں

آمد شقی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام — عباس نامور سے یہ رو کر کیا کلام
لو بھائی جنگ ہو چکی قصہ ہوا تمام (٩٣) آیا ہوئے یتیم حسنؑ موت کا پیام
ہمشکل مجتبےٰ کو بلا لو پکار کے مصطفےٰؐ
مانگو دعا سروں سے عمامے اتار کے

یہ کہہ کے قبلہ رو ہوئے سلطان کائنات — درگاہ کبریا میں دعا کی اٹھا کے ہاتھ
اے خالق زمین و زماں رب پاک ذات (٩٤) ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو دے نجات
تو حافظ جہاں ہے کریم و رحیم ہے
یا رب بچا اسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

فضہ پکاری خیمہ میں اگر بچشم تر (٩٥) لوگو تمھیں یتیم حسنؑ کی بھی ہے خبر

آیا ہے لڑنے ارزق ملعون خیرہ سر　　کھولو سروں کو اے حرم شاہ بحر و بر
عبّاس روتے ہیں علی اکبر اُداس ہیں
ایسا ہے کچھ کہ سبطِ نبی بے حواس ہیں

نکلا یہ سب کے منہ سے کہ ہے ہے حسنؑ کا لال　　زینب نے اُٹھ کے کھول دیے اپنے سر کے بال
(۹۶)
سینے میں ہل گیا دل بانوئے خوش خصال　　چلائی ماں گذر گیا کیا میرا نونہال
عابد کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا
قاسم کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہو گیا

چلائی رو کے زوجۂ عباس نوجواں　　یا رب ہے تو یتیم حسن کا نگاہباں
(۹۷)
سنکر یہ غل دلھن کے بھی آنسو ہوئے رواں　　لے کر بلائیں ساس پکاری کہ میری جاں
خالق کرے گا رحم نہ آہ و بکا کرو
دولھا پہ آبنی ہے میں صدقے دعا کرو

اس اضطراب میں جو سنا ساس کا سخن　　زانو سے سر اُٹھا کے ہوئی قبلہ رو دلھن
(۹۸)
آہستہ کی یہ عرض کہ اے رب ذوالمنن　　دشمن پہ فتح یاب ہو لختِ دلِ حسنؑ
لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو تو اپنی پناہ میں

یا رب دلھن بنے مجھے گذری ہے ایک شب　　دولھا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
(۹۹)
اب تک تو شرم سے نہ ہلائے ہیں میں نے لب　　پر کیا کروں کہ اب ہے میری روح پر تعب
شبیرؑ کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے
دولھا سے پہلے مجھ کو اُٹھا لے تو خوب ہے

سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں آہ　　جو آ گیا پیام رنڈاپے کا یا آلہٰ
(۱۰۰)
یہ عقد تھا کہ موت تھی ماتم تھا یہ کہ بیاہ　　بعد اُن کے ہو گا خلق میں کیونکر مرا نباہ

اٹھو جہاں سے دلبر شبّر کے سامنے
عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے

فوجیں اُدھر دعا کی چلیں سوئے آسماں | بل کھا کے اُس طرف یہ پکارا وہ بدزباں
رستم بھی ہو تو کچھ نہیں سکتی مری کماں | جوشن کو توڑتا ہے مرا تیرِ بے اماں (۱۰۱)
ہے اُس کی فتح ساتھ ہوں میں جس رئیس کے
سُرمہ کیا ہے دیو کو چٹکی میں پیس کے

قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند | اللہ کو غرور و تکبر ہے ناپسند
حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سربلند | تیرے کا بند باندھ کوئی چھیڑ کر سمند (۱۰۲)
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

کیا زور تیر اور تری ضرب و ذلیل | تعریف اپنی خود یہ سفاہت کی ہے دلیل
جوہر خود اُس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہے اصیل | کاٹے ہماری تیغ نہ بازوئے جبرئیل (۱۰۳)
جرات میں ہم کسی کو بھلا کیا سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

یہ گرز میل راہ سفر ہے ترے لئے | وسمت اجل ترا یہ تبر ہے ترے لئے
برچھی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لئے | کالی بلا تری یہ سپر ہے ترے لئے (۱۰۴)
ضربت نہ ٹل سکے گی جو ماریں گے ہم تجھے
بے آبرو کرے گی یہ تیغ دو دم تجھے

کیا ہو سکے گا تجھ سے بھلا وقت دار و گیر | دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں او شریر
حلقہ کہیں کماں کا نہ کر لے تجھے اسیر | دشمن ہیں سب ترے جنھیں سمجھا ہوا ہے تیر (۱۰۵)
او تیرہ رو بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے

آ ہوش میں کہ تجھ کو سیاہی دبائے ہے

گو اسلحہ ہے زیورِ مردانِ سر گذار — سب حربے چل سکیں گے بھلا وقت گیر و دار
ہے دم میں فیصلہ جو کھنچے تیغ دار — لادے ہوئے ہے تن پہ عبث ایک خر کا بار (۱۰۶)
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے
یہ تو نہیں ہے کلب ہے ہر قسم میں شیر کے

بیٹوں کے غم نے کر دیے مختل ترے حواس — گھبرا نہ بھیجتے ہیں تجھے بھی انھیں کے پاس
فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس — آنکھیں ملا کے دیکھ بھلا ہے کہیں ہراس (۱۰۷)
گم ہیں جو نورِ عین تو آنکھیں چرائے ہے
ثابت ہوا خجل ہے کہ منہ کو چھپائے ہے

آگے ہمارے دعوے جرأت خدا کی شان — گدی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زبان
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں تو جواں — لے میان سے کہ اسکا بھی ہو جائے امتحاں (۱۰۸)
ہیں شیر شیر خوار جناب امیر کے
جھولے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر کے

بارہ برس کے سن میں لڑے شاہ ذوالفقار — مرحب سا پہلواں نہ بچا وقت کارزار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش او زبوں شعار — گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغ آبدار (۱۰۹)
لڑکوں سے فوجیں بھاگ گئیں ہیں منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

قایل کیا جو صحفِ ناطق کے لال نے — تر کر دیا اُسے عرقِ انفعال نے
برچھا اُٹھایا ہاتھ میں اُس بد خصال نے — چھیڑا فرس کو قاسم یوسف جمال نے (۱۱۰)
تکنے لگے صفوں سے جواں سب کھڑے ہوئے
عبّاس نامدار قریب آ کھڑے ہوئے

قاسم نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور — رہیے چچا کے پاس یہ تکلیف کیا ضرور
فرمایا صدقے میں تری ہمت کے اے غیور (۱۱۱) دشمن کو پاس آنے نہ دو ہم کھڑے ہیں دور
ہشیار جانِ عم کہ دمِ کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں یہ تمہارا شکار ہے

کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار — بیٹا سپر تو ہاتھ میں لے لو چچا نثار
صدقے ترے حواس کے لے میرے شہسوار (۱۱۲) ہاں دونوں پاؤں رکھیو رکابوں میں استوار
آنے دو اس کو تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بد مزاج ہو ہٹ پر جمی رہے

فارس ہے تم سا کون تہِ چرخِ چنبری — دکھلائیے ہو صاحبِ دلدل کی بگدھری
صدقے میں اے نہنگِ محیطِ دلاوری (۱۱۳) دکھلا دے ضربِ تیغِ جہانگیرِ حیدری
ابرو پہ بل ہو آنکھوں سے آنکھیں لڑی رہیں
بھاری زرہ وہ پہنے ہیں جوشن کڑی رہیں

بیٹا تمہیں خدا نے دیا ہے علی کا زور — گو پیل ہے یہ ہم تو سمجھتے ہیں اسکو مور
بہرام کی طرح سے چلا اب میانِ گور (۱۱۴) دیکھو گے دیکھنے کا فقط ہے یہ زور شور
چھیلے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جو بہت وہ برستے نہیں کبھی

سن کر صدا یہ شیر پکارا وہ بزدلا — کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں عازمِ وغا
تیوری چڑھا کے حضرتِ عباس نے کہا (۱۱۵) بس ہے مجھے یہ طفل مری احتیاج کیا
کچھ تجھ سے کم یہ نبیرۂ خیبر شکن نہیں
دو ایک سے لڑیں یہ ہمارا چلن نہیں

نیزہ ہلا کے جانب قاسم بڑھا وہ یل (۱۱۶) دولھا نے مسکرا کے صدا دی سنبھل سنبھل

گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منہ کے بل — تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
صیغم ہیں بیشۂ اسدِ ذوالجلال کے
کیجیو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے

۱۱۷
یہ کہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکاں — چمکی انی تو برق پکاری کہ الاماں
ایک بند باندھ کر جو فرس سے کہا کہ ہاں — ڈانڈا آ پڑا ڈانڈ پر تو سناں سے لڑیں سناں
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی لپٹ گیا

۱۱۸
قاسم نے زور سے جو انی پہ پر رکھی انی — بھاگا شقی کے جسم سے زور تہمتنی
مگرا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کے آبنی — تھی اس سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی
کٹ کر (اُڑ کر) گری زمیں پہ سناں اس ٹکان سے
گرتا ہے جیسے تیر شہاب آسمان سے

۱۱۹
جھنجھلا کے چوب نیزے کو لایا وہ فرق پر — قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
دو انگلیوں میں نیزہ دشمن کو تھام کر — جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

۱۲۰
سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اُٹھا کے جب — قبضے میں لی کمان کیا انی للبد غضب
چلّے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب — تیوری چڑھائی قاسمِ نوشاہ نے بھی تب
تیرِ نگاہ سے وہ خطا کار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چلّہ اُتر گیا

۱۲۱
بولا یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسن — رخ پھیر یو نہ او ستم ایجاد پیل تن
چلّائے بڑھ کے حضرت عباس صف شکن — کیا خوب تم کو یاد ہیں تیر افگنی کے فن

دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
دعویٰ ہے کچھ ابھی چڑھائے کمان کو

کندو گزار تیر نظر پر بھی کی نظر — ظالم عقاب تیر کے بھی اڑ گئے ہیں پر
(۱۲۲) شیروں نے کاٹ ڈالے ہیں روئیں تنوں کے سر — ہاں اب بتا صواب کدھر ہے خطا کدھر
ترکش کو پھینک دے جو حمیت کا جوش ہو
چٹکی سے تو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو

دو سمت سے چلے جو ملامت کے اس پہ تیر — چلایا تیغ تیز علم کر کے وہ شریر
(۱۲۳) ہاں اے حسن کے لال بدخشاں بدہ گیر — نکلی چمک کے پاس سے بھی تیغ قضا نظیر
چمکا کے تیغ تیز جو قاسم سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے

مانند شیر غیظ میں آیا وہ پیلتن — آنکھیں ابل پڑیں صفت آہوئے ختن
(۱۲۴) ماری زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن — چلائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لوٹا ہے ہرن
میخیں زمیں کی اس کی تگاپو سے ہل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے ہل گئیں

فر فر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے جب صدا — کہتے تھے لوگ سب کہ ہے رفرف پہ بادپا
(۱۲۵) دشمن کو گھورتا ہے دہانہ چبا چبا — غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو باوفا
دشمن کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو
لڑ لے کٹاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو

چھل بل دکھائی فوج کو دوڑا تھما اڑا — صورت بنائی جست کی سمٹا جما اڑا
(۱۲۶) دیکھی زمیں کبھی کبھی سوئے سماں اڑا — مثل سمند باد تہ اِنما اڑا
جن تھا پری تھا سحر تھا آہو شکار تھا

گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بیک — دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
(۱۲۷) تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک — اک زلزلہ تھا اوج ثریا سے تا سمک
چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

ہر بار جانبین سے ہوتے تھے وار رد — تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
(۱۲۸) جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیٔ حسد — کہتا تھا بازوئے شہِ دیں یا علی مدد
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغ جھول کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

لایا جو حرف سخت زباں پر وہ بدخصال — جھپٹا مثال شیر درندہ حسنؑ کا لال
(۱۲۹) گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال — اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اس کی سپر سے ڈھال
دھبڑ لگی کہ ہوش اڑے خودپسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دیئے سر پر سمند کے

عباس نامدار نے پہلو سے دی صدا — ہاں اب نہ جانے دیجیو احسنت مرحبا
(۱۳۰) دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا — سنتے ہی یہ فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا بھی اس طرف کو ادھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

غازی لے صدا کہ وہ مارا ذلیل کو — بچے نے آج پست کیا مست پیل کو
(۱۳۱) کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو — لو کوفیو گرا دیا حرفِ ثقیل کو
دو ہو گئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا
دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے یہ کیا ہوا

قاسم سے پھر کہا کہ مبارک تمھیں ظفر تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کے سر
اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر (۱۳۲) اقبال آپ کا کہ مہم ہو گئی یہ سر
پشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو
کام آئے کیوں نہ راس جو استاد پاس ہو

فرمایا جان عم یہ بشر تھا کہ دیوزاد ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر خانہ عناد
آؤ کہ تم پہ پھونک دیں پڑھ کر وان یکاد (۱۳۳) چلائی در سے ماں کہ بر آئی مری مراد
بیوہ کا لال بچ گیا صدقے حسینؑ پہ
اسپند کوئی کر دے مرے نور عین پہ

عباس نامدار تو ہنستے چلے اُدھر یعنی خوشی کی جا کے شہ دیں کو دوں خبر
اس غمکدے میں دہر کے شادی کہاں مگر (۱۳۴) یاں اُس نے پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہل شر
لاکھوں سے لڑ کے پیاس سے مجبور ہو گئے
حربے ہزار ہا جو چلے چور ہو گئے

کیونکر تمام فوج سے اک تشنہ لب لڑے اک اک لڑا نہ آہ بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم مثل امیر عرب لڑے (۱۳۵) جانبازیاں ستم کی دکھائیں غضب لڑے
جلوہ میاں تشنہ دہانی دکھا دیا
بچپن میں لڑ کے زور جوانی دکھا دیا

للکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ گئے یوں آئے جیسے شیر درندہ جھپٹ کے آئے
بجلی اُدھر گری یہ جدھر کو پلٹ کے آئے (۱۳۶) صف کو بچھا گئے آئے پرے کو الٹ کے آئے
منہ سرخ تھا کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے
بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

کاٹے رسالے تیغ سے کار قلم لیا (۱۳۷) دست یمیں نے جنگ میں آرام کم لیا

پھر دست چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا
تیورا کے سنبھلے منہ سے لہو ڈالا دم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں
سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں

آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ
روکے تھی فوج تیروں سے اور برچھیوں سے راہ
لشکر کے ساتھ تھا پسر سعد روسیاہ (۱۳۸)
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
غل تھا کہ روند ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
ہاں غازیو بجھا دو حسن کے چراغ کو

تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر
ٹرتی تھیں وہ قریب سے اس ناتوان پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر (۱۳۹)
پلہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرت قمر
مارا کسی نے فرق پہ اک گرز گاؤ سر
برچھی لگی جو سینہ پہ ٹکڑے ہوا جگر (۱۴۰)
گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پہ لگا تبر
طارق کی تیغ کھا کے پکارے امام کو
فریاد یا حسینؑ بچاؤ غلام کو

سنتے ہی استغاثۂ داماد کی صدا
دوڑے حسینؑ جانب مقتل برہنہ پا
گھبرا کے بولے حضرت عباسؑ باوفا (۱۴۱)
تلوار کس پہ چل گئی ہے ہے ہوا یہ کیا
چلائی ماں ارے مری بستی اجڑ گئی
اے بھائی دوڑو بن کے لڑائی بگڑ گئی

جھپٹے جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار
بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
اس غیظ میں کہیں سے جو آئے سوئے لیا (۱۴۲)
بھاگے پھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار

بھاگڑ میں خون سے رن کی زمیں لال ہو گئی
دولھا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں   سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بصد فغاں   (١٤٣) بے جاں ہوا حسینؑ کے آگے وہ نیم جاں
جب لاش اٹھائی شہ نے تو چور استخوان تھے
سب چاند سے بدن پہ سُموں کے نشان تھے

ڈیوڑھی پہ لائے لاش جو سلطان بحر و بر   پردا اٹھایا ڈیوڑھی کا فضہ نے دوڑ کر
لاشے کے پاؤں تھامے کوئی اور کوئی سر   (١٤٤) چادر کمر کی تھامے تھے عباس نامور
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں اٹی ہوئیں
رخ پر پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی ہوئیں

لاشہ ادھر سے لے کے چلے شاہِ کربلا   دوڑے ادھر سے پیٹتے ناموسِ مصطفا
فضہ بھی آگے آگے کھلے سر برہنہ پا   (١٤٥) آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا
چھپ جائے جس سے دور کا ناتا ہے صاحبو
دولھا دلھن کے لینے کو آتا ہے صاحبو

بہنیں ہیں کدھر ہیں ڈالنے آنچل نہ آئیں   اب دیر کیا ہے حجرے سے باہر دلھن کو لائیں
رخصت ہوں جلد تا کہ براتی بھی چین پائیں   (١٤٦) جاگے ہیں ساری رات کہ اپنے گھروں کو جائیں
دل پر سہے فراق کی شمشیرِ تیز کو
ماں سے کہو دلھن کے نکالے جہیز کو

ناگاہ لاش صحن تک آئی ہوئی تو   ہٹے جو سب عروس کو بھی ہو گئی خبر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر   (١٤٧) گھبرا کے تب سکینہ سے بولی وہ نوحہ گر
دولھا کی لاش آئی ہے سہرے کو توڑ دو

مسند الٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو

یہ کہہ کے پوچھنے لگی سہرا وہ سوگوار — افشاں چھڑا کے خاک ملی منہ پہ چند بار (۱۴۸)
کہنے لگی لپٹ کے سکینہ جگر فگار — ہے ہے بہن بڑھاؤ نہ سہرے کو میں نثار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سو گئی
بی بی نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

یہ کہہ کے غش ہوئی جو قلق سے وہ نوحہ گر — حجرے سے دوڑی بالی سکینہ برہنہ سر (۱۴۹)
آ کر قریب صحن پکاری بچشم تر — اے بیبیو کسی کو دلہن کی بھی ہے خبر
کیسی دھڑا دھڑی ہے یہ اماں کدھر گئیں
دوڑو پھوپھی جہان سے گھبرا گزر گئیں

رو کر بہن سے کہنے لگے شاہِ بحر و بر — اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر (۱۵۰)
بیٹی لٹی گئی یوں ہمیں اس کی نہ تھی خبر — اب شرم کیا ہے دیکھ لے دولہا کو اک نظر
زخمی بھی ہے شہید بھی ہے بے پدر بھی ہے
دولہا ہے نام کو بھی چچا کا پسر بھی ہے

حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشم اشکبار — بیٹی یہ سن کے غش ہوئی بانوئے دل فگار (۱۵۱)
چادر سپید اڑھا کے دلہن کو بحال زار — گودی میں لائی زینب غمگین و سوگوار
چلائی ماں یہ گر کے تنِ پاش پاش پر
قاسم بنے اٹھو دلہن آئی ہے لاش پر

صدقے گئی چچی کو نہ ہوئے کہیں ملال — رکھو دلہن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسن کے لال (۱۵۲)
واری بس اب اٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال — کیسا یہ خواب ہے کہ دلہن کا نہیں خیال
کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو
اس بچپنے کی نیند پہ اماں نثار ہو

جس دم دولھن نے لاش کو ٹکڑے ہوتی کی نگاہ
نکلی لبوں میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشک ماہ (۱۵۳)
میرا قصور عفو ہو اے میرے بادشاہ
بولی نہ تھی حجاب سے تقصیر وار ہوں
اب حکم ہو تو لاش پہ اُٹھ کے نثار ہوں

اے پیارہ رسولِ حسنؑ اے فدیۂ حسینؑ
کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین
کیا کہہ کے روؤں تم اُٹھ گیا اب تو جہاں سے چین (۱۵۴)
ہو جو کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین
چھوڑا دولھن کو لاش پہ رونے کے واسطے
دولھا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے

صاحب بتا تو دو تمھیں رونے میں کیا کہوں
بیکس کہوں کہ فدیۂ راہ خدا کہوں
پیاسا کہوں شہید کہوں یا بنا کہوں (۱۵۵)
دولھا کہوں کہ قاسم گلگوں قبا کہوں
ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
اک شب کی رانڈ دولھا کو کیا کہہ کے روتی ہے

کیوں رونیوالو سنتے ہو آواز شور و شین
اس خیمۂ پاک میں ہیں نہاں نوحہ گر حسین
منبر کے پاس فاطمہؑ روتی ہیں کر کے بین (۱۵۶)
ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین
شبیرؑ کو بھی قلق ہے شہ بے وطن کو بھی
پرسا دو تم حسینؑ کو بھی اور حسنؑ کو بھی

لکھے انیسؔ خوب بسرعت یہ چند بند
لے جائے شوق سے جسے مضمون جو ہو پسند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند (۱۵۷)
اُس کے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند
نہریں رواں ہیں فیض شہ مشرقین کی
پیاسو پیو سبیل ہے نذر حسینؑ کی

سلام

خیالِ چہرۂ شہ وقتِ خواب رہتا ہے / تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے
سلامی ریش میں جبتک خضاب رہتا ہے / اگر رہا تو بس اتنا شباب رہتا ہے
خدا کا قہر نبی کا عتاب رہتا ہے / عدوِ علی کا ہمیشہ خراب رہتا ہے
ہمارے شیشۂ دل کو نہ توڑا اے گردوں / یہ ظرف وہ ہے کہ جس میں گلاب رہتا ہے
جو دل جلے ہیں انھیں کا سخن ہے گرما گرم / مزاج سیخ پہ جبتک کباب رہتا ہے
زباں سوالِ نکیرین سے نہ بند ہوئی / خموش بھی کہیں حاضر جواب رہتا ہے
کھلی ہیں مالکِ دفتر کے سامنے فردیں / سیاقداں سے حساب و کتاب رہتا ہے
لگا کے آتشِ قلب و جگر کو اشک نکل / دو آتشہ ہو تو برسوں گلاب رہتا ہے

بھری ہے کونسی یارب دلِ انیس میں آگ
کہ جس کی آگ سے دوزخ کباب رہتا ہے

رباعی

سوزِ غمِ دوری نے جلا رکھا ہے / آہوں نے کنول دل کا بجھا رکھا ہے
نکلو کہیں جلد عمرِ آخر ہے انیس / اس ہند سیہ بخت میں کیا رکھا ہے

جب رن میں سربلند علی کا علم ہوا

(از انیس)

جب رن میں سربلند علی کا علم ہوا — فوج خدا پہ سایۂ ابر کرم ہوا (۱)
چرخ زبرجدی پہ تسلیم خم ہوا — پنجے پہ سات بار تصدق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

وہ شان اس علم کی وہ عباس کا جلال — نخل زمردی کے تلے تھا علی کا لال (۲)
پنجے پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا حال — غل تھا کہ دوش حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
طوبےٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کی اوج سے

تھا پنجتن کا نور جو پنجے پہ جلوہ گر — اعضے کی پتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر (۳)
ذرے نثار کرتے تھے اٹھ اٹھ کے اپنا زر — تکتے تھے فوق سے تو ملک تحت سے بشر
اللہ ری چمک علم بوتراب کی
تار نظر بنی تھی کرن آفتاب کی

قربان احتشام علمدار نامور — رخ پر جلالت شہ مرداں تھی سربسر (۴)
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر سی نظر — قبضے میں تیغ بر میں زرہ دوش پر سپر
چھایا تھا رعب لشکر ابن زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیر الٰہی جہاد پر

وہ اوج وہ جلال وہ اقبال وہ حشم — وہ نور وہ شکوہ وہ توقیر وہ کرم (۵)
پنجے کی وہ چمک وہ سرفرازی علم — گرتی تھی برق فوج مخالف پہ دمبدم

کیا خوب سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

(۶)

پنجہ علم کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار — عالم میں پنجتن کی بزرگی ہے آشکار
یہ شش جہت انہیں کے قدم سے ہے برقرار — کیوں ہفتہ دوست ہوتے ہوا قوم نابکار
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولا کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السلام سے

(۷)

غرفوں سے جھانک جھانک کے بولی ہر ایک حور — صل علیٰ علم کی چمک ہے کہ برق طور
یارب رہے نگاہ بد اُس کی ضیا سے دور — پنجہ ہے ایک لگہ کہ ہے پنجتن کا نور
جلوے ہیں سب محمد و حیدر کی شان کے
قربان اس جوان کے نثار اس نشان کے

(۸)

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حسن کی سپاہ — دنیا کی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ
دیکھیں کسے کہ ہے ایک ایک رشک ماہ — جاتی ہے جس کے رخ پہ پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انہیں دموں سے ہے رونق زمین کو
چن کر حسین لائے ہیں کس کس حسین کو

(۹)

شہرہ بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا — قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا — یوسف ہے ایک ایک جوان اس سپاہ کا
سنتے تھے ہم کہ عالم ایجاد زینت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہشت ہے

(۱۰)

ہمشکل مصطفیٰ کا ہے کیا حسن کیا جمال — صبح جبیں ہے اور شب گیسو ہے بے مثال
یہ لب یہ خط یہ چشم یہ ابرو یہ رخ یہ خال — یاقوت و مشک و نرگس و نجم و مہ و ہلال
ایک گل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے

چہرہ نہ کہئے قدرت پروردگار ہے

لخت دل حسن بھی ہے کس مرتبہ حسین   جسکے چراغ حسن سے روشن ہیں سب زمین
یہ زلف مشک بیز یہ آئینہ جبیں   سرمایۂ خطا و ختن کا نشاط چین   (۱۱)
رخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئیں
سہرے کی ہر لڑی سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئیں

نام خدا ہیں عون و محمد بھی کیا شکیل   اک مہر بے نظیر ہے اک بدر بے عدیل
افروختہ ہیں رخ پہ شجاعت کی ہے دلیل   ہمت بڑی ہے گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل   (۱۲)
مثل علی ہیں جنگ و جدل پر تلے ہوئے
دونوں کے پنجوں کے ہیں ڈوبے کھلے ہوئے

عباس نامور بھی عجب سج کا ہے جواں   نازاں ہیں جس کے دوش منور پہ خود نشاں
حمزہ کا رعب صولت جعفر علی کی شان   ہاشم کا دل حسین کا بازو حسن کی جاں   (۱۳)
کیونکر نہ عشق ہو مہ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سینکڑوں شرف اس آفتاب کو

اس مہر کو تو دیکھو یہ ذرے ہیں جس کے سب   سرتاج آسمان و زمیں نور عرش رب
ابر کرم خدیو عجم خسرو عرب   عالی ہمم امام امم شاہ تشنہ لب   (۱۴)
جنباں زبان خشک ہے ذکر الہ میں
گویا کھڑے ہیں ختم رسل رزم گاہ میں

کیا فوج تھی حسین کی اس فوج کے نثار   اک اک آبروئے عرب فخر روزگار
جرار و دیں پناہ و نمودار نامدار   لڑکوں میں سبزہ رنگ کوئی کوئی گلعذار   (۱۵)
فوجیں کوئی سماتی تھیں ان کی نگاہ میں
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیر الہ میں

ایک ایک ملک جرأت و ہمت کا بادشاہ — کیواں خدم سپہر حشم عرش بارگاہ (۱۶)
آنکھیں غزال رشک مگر شیر کی نگاہ — وہ رعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
ابرو ذرا جو بل گئے تلوار چل گئی

وہ اشتیاق جنگ میں لڑکوں کے ولولے — بیتاب تھے کہ دیکھئے تلوار کب چلے (۱۷)
چہرے وہ آفتاب سے وہ چاند سے گلے — سب فاطمہ کی بیٹیوں کی گود کے پلے
اک اک رسول حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علی نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کئے — یہ پیچھے نہ لیویں گے دم بے لہو پیے (۱۸)
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جیے — صدقے ہوں اس قدم پہ یہ سر ہیں اسی لیے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھئے گا تماشا لڑائی کا

بچپن پہ خادماں اولوالعزم کی نہ جائیں — جب چاہیں معرکے میں ہمیں آپ آزمائیں (۱۹)
تن تن کے روکیں برچھیاں ہنس ہنس کے زخم کھائیں — بجلی گرے تو منہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے تو آنکھیں نکالیے
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالیے

کہتے تھے مسکرا کے یہ زینب کے دونوں لال — کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دم جدال (۲۰)
ہر وقت چاہیے مدد شیر ذوالجلال — نعرے ابھی کریں تو ہلے عرصۂ قتال
آتی ہے تیغ جن کے لئے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

چھپ چھپ کے جو کرتے تھے باہم وہ گلعذار — شبیر دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار (۲۱)

پاس آکے عرض کرتے تھے عباس نامدار — سنتے ہیں آپ کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ سمجھے رکیں گے بھلا فوج شام سے

(۲۲)
یہ سن یہ زور شور یہ عمریں یہ آن بان — یہ بھولے بھولے منہ یہ جواں مردیاں یہ شان
باتیں رجز سے کم نہیں الھڑ ہے خوش بیاں — چلتی ہے ذوالفقار علی کی طرح زباں
کس دھج سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کا سب دیکھے بھالے ہیں

(۲۳)
زینب کے لاڈلوں کی طرف دیکھے حضور — مثل عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
رخ پر جلال شیر خدا کا ہے سب ظہور — پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برق طور
دونوں ہیں صاف حیدر و جعفر کے طور ہیں
اللہ کی پناہ یہ تیور ہی اور ہیں

(۲۴)
یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اس طرف — مشکل کشا کی فوج نے باندھی ادھر بھی صف
تیروں نے رخ کیا سوئے ابن شہ نجف — سینوں پہ غازیوں نے ادھر کر دیا ہدف
تھا بس کہ شوق جنگ ہر اک رشک ماہ کو
جوش آگیا دغا کا حسینی سپاہ کو

(۲۵)
غصے سے آفتاب ہوئے مہوشوں کے رنگ — فوجوں پہ جا پڑیں یہ دلوں کی ہوئی امنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ — بے چین ہو گئے فرس ابلق و سمرنگ
پاس ادب سے شاہ کے صف بڑھ کے تھم گئی
ایڑی ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

(۲۶)
تنتنا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے — بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جھوم کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے — ٹکڑے اڑائینگے آج عمر و شمر و شوم کے

نامرد جو ہیں آنکھ چراتے ہیں مرد سے
دونوں کو چار کر کے پھرینگے نبرد سے

(۲۷)
دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی | بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
چتون کسیکی شور دہل سے بگڑ گئی | منہ سرخ ہو گیا شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو رانوں میں داب کے
غصے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

(۲۸)
بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کمان سے | نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے | تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
ایک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہر فرات کو

(۲۹)
سنتے ہی یہ کلام جوانان نامور | لڑنے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
کہتے تھے پیچھے لئے وہ غیرت قمر | یارب شکست کوفیوں کو دے ہمیں ظفر
سر کٹے نہ پھر وغا میں جو بڑھ کے قدم گڑے
جا کر در یزید پہ اپنا علم گڑے

(۳۰)
گھبرا کے عباس شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر | تیر اس طرف سے آ گئے ہیں اب کس لئے ہے دیر
دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر | مولا غلام سے نہیں رکنے کے یہ دلیر
پاس ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیر خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

(۳۱)
کس کو ہٹائے کس کو سنبھالے یہ جاں نثار | مرنے پہ ایک دل ہیں بہتر وفا شعار
ہے مصلحت کہ دیجئے اب اذن کارزار | ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں سرکشی پہ سواران شام کی

اکبر کی بات مانتے ہیں نہ غلام کی

جب روکتا ہوں میں انہیں اے آسمان سریر — کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
باندھے ہیں سرکشی پہ کمر لشکر شریر — (۳۲) ہنگام جنگ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
بچوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

اک اک جری کو نشۂ جرأت کا جوش ہے — عالم ہے بیخودی کا یہ مرنے کا ہوش ہے
ہر صف میں یا علی ولی کا خروش ہے — (۳۳) کہتے ہیں بار بار کہ سر بار دوش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کی گھاٹ کو
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

حسرت سے کی سوئے رفقا شاہ نے نظر — بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادہ سفر — (۳۴) اچھا بڑھے جہاد کو ایک ایک نامور
یہ راہ حق ہے جو قدم آگے بڑھائے گا
دربار مصطفےٰ میں وہ ہی پہلے جائے گا

مژدہ یہ سن کے شاد ہوئے غازیان دین — اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوج کیں
جب نعرہ زن ہوئے صفت شیر خشمگیں — (۳۵) تھرائے آسماں کے طبق ہل گئی زمیں
برپا تھا شور حشر دلیروں کی حرب سے
فوجیں تو کیا جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے

اللہ رے جہاد حبیب و زہیر قیس — گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین
جب مر گئے وہ عاشق سلطان مشرقین — (۳۶) مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حسین
یوں جا کے روئے ان کے تن پاش پاش پر
جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر

خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا (۳۷) کا بنا سپہر شہ نے دم سرد یوں بھرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا گر روئے آپ ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
لڑکے جو یک بیک گئی ہاتھوں سے کھو گئے
ٹکڑے حسن کی طرح کلیجے کے ہو گئے

تھی قہر حق عقیل کے پوتوں کی کارزار (۳۸) شمشیر حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
عزت عرب کی کر گئے جعفر کے یادگار تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوئے شکار
فتح و ظفر تھی مثل علی اختیار میں
تیغے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

نکلے برادران علمدار صف شکن (۳۹) دکھلا دیئے علی کے لڑائی کے سب چلن
بے سر تھے مورچوں میں جوانان پیل تن لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں چھاتا تھا رن پہ رن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی
عباس داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

تھا چھوٹے بھائیوں کے لیئے مضطرب جو دل (۴۰) گر شہ کے پاس تھے کبھی لشکر کے متصل
نعرہ یہ تھا کہ شیر ہے ما نکا تھیں بجل شیر و کٹے نہ ہاتھ بدن گو ہے مضمحل
یہ وقت آبرو ہے بڑی اب جد و کد کرو
ہاں بھائیو امام کی اپنی مدد کرو

الٹو پروں کو اور صفوں کو بچھا کے آؤ (۴۱) ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
جب باگ اٹھاؤ فوج کے اس پار جا کے آؤ یا مر کے آؤ یا انھیں رن سے بھگا کے آؤ
ہاں صفدرو نشان نہ ہے فوج شام کا
بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا

رو کر حسین کہتے تھے بھائی سے دمبدم (۴۲) دولت پدر کی لٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم

جینے نہ دے گا آہ ہمیں بھائیوں کا غم   عباس عرض کرتے تھے اے قبلۂ امم
اب باپ کی جگہ شہ عالی مقام ہیں
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

بیجان ہوئے جو راہ خدا میں وہ شیر نر   حضرت ضعیف ہو گئے خم ہو گئی کمر
ماتم میں تھے کہ موت نے لوٹا حسن کا گھر (۴۳) اکدم میں قتل ہو گئے دونوں جواں پسر
سب چل بسے نبی و علی پاس رہ گئے
ہفتاد و دو تن میں اکبر و عباس رہ گئے

آیا نظر جو لاشہ نوشاہ نیک خو   اکبر کی چشم تر سے ٹپکنے لگا لہو
کی غیظ سے نظر طرف لشکر عدو (۴۴) پہلو سے آئے روتے ہوئے شہ کے روبرو
نکلی یہ بات جوش بکا میں زبان سے
قاسم کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہان سے

بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا   سوئے تو ایک فرش پہ کھیلے تو ایک جا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا وا مصیبتا (۴۵) مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا کیا مزا
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
پہلو میں ابن عم کے ہماری بھی لاش ہو

شہ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم   خالق جہاں میں بھائی کا بھائی کو دے نہ غم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم (۴۶) مر مر کے غم میں بھائی حسن کے جئے ہیں ہم
تازہ تھا غم پدر کا خوشی دل سے فوت تھی
عباس نامدار نہ ہوتے تو موت تھی

بھائی کے بعد ان سے ملی لذت حیات   بیکس کے غمگسار تھے یہ یا خدا کی ذات
خالی نہ پائی مہر و مروت سے کوئی بات (۴۷) سویا جو میں تو انکو کٹی جاگنے میں رات

صدمے بھلائے دل سے حسن کی جدائی کے
روئے نہیں دو یا مجھے ماتم میں بھائی کے

(۴۸) ہے ان کے اتحاد کا سب سے جدا مزا — بیٹے کا لطف بھائی کا حظ باپ کا مزا
ملتا ہے ان کی بات میں ہر دم نیا مزا — اوجھل سے آنکھ سے ہوں تو جینے کا کیا مزا
قائم رکھے خدا کہ علی کے نشان ہیں
مالک یہی ہیں گھر کے یہی تن کی جان ہیں

(۴۹) قوت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور — بچھڑا جو ایک دم میں تو پھر میں کنار گور
ہوتا ہے زخم دل پہ نمک آنسوؤں کا شور — جب پتلیاں نہ ہوئیں تو چشم بشر ہے کور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بیکس سنبھل گیا
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا

(۵۰) بس دیکھ کر نہال ہوئے گلشن جہاں — گذرے بہار عمر کے دن آ گئی خزاں
اٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیر ناتواں — پھولو پھلو جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
عمریں بھی ہیں قلیل کچھ ایسے سن نہیں
دونوں کا ہے شباب یہ مرنے کے دن نہیں

(۵۱) ان سے نشاں علی کا ہے تم سے ہمارا نام — گھر مٹ گیا نبی کا جو دونوں ہوئے تمام
میت کے دفن کا بھی مناسب ہے اہتمام — مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
تربت پہ تم سے گل ہوں تو دل باغ باغ ہو
اندھیر ہے جو قبر پدر بے چراغ ہو

(۵۲) کیجیو نہ ذکر ہجر یہ صدمہ ہے دل خراش — بہر پدر کرو کفن و گور کی تلاش
ہوگا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش — دو شخص چاہیے کہ اٹھائیں پدر کی لاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرہانے ہو

فرزند پائیتی ہو برادر سرہانے ہو

اکبر نے سنکے باپ سے یہ اشک خوں بہائے — عباس بول اٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے — خاک اس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اٹھائے (۵۳)
دیتے ہیں جان اہل وفا نام کے لئے
پائیں ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لئے

بس گر پڑا یہ کہکے قدم پر وہ باوفا — جھک کر کہا حسین نے بھائی یہ کیا کیا
قاسم کا ذکر کرتے تھے ہمشکل مصطفےٰ — باتیں تو اپنے تھیں تمہیں کیوں غیظ آ گیا (۵۴)
ہم تم تو ساتھ گلشن ہستی سے جائیں گے
اچھا ہماری لاش کو اکبر اٹھائیں گے

اٹھئے قدم سے آپ کی الفت کے میں نثار — غصے میں بھول جاتے ہو بھیا ہمارا پیار
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا نامدار — بے اذن جنگ سر نہ اٹھائے گا خاکسار (۵۵)
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالت مآب سے
پہلے مروں گا اکبر عالی جناب سے

صدقہ علی کی روح کا اکبر کو رو گئے — دیکھو قسم شبیہ پیمبر کو رو گئے
نور نگاہ بانو سے بے پر کو رو گئے — اے آفتاب دیں مہ انور کو رو گئے (۵۶)
پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں
آقا یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اٹھائیے — لیجے رضائے حرب نہ آنسو بہائیے
فرقت میں ہم جئیں کہ مریں خیر جائیے — اپنی سکینہ جان سے جا کر مل آئیے (۵۷)
زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجئے
بچوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجئے

عباس شہ کے گرد پھرے جھک کے سات بار — بھائی کو گھر میں لے چلے جب شاہ ذی وقار (۵۸)
بولا یہ ہیک شاطر فوج ستم شعار — وہ اذن جنگ پا چکے عباس نامدار
خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
ملنے گئے ہیں خیمہ میں ناموس شاہ سے

تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام — نعرہ یہ دمبدم تھا کہ اب ہم ہوئے تمام (۵۹)
تیغوں سے گھاٹ روک لو آیا وہ نیک نام — اب معرکہ ہے قہر کا اے ساکنان شام
دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

دل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر — کانپے مثال بید جوانان پرجگر (۶۰)
ہل چل ہیں اس طرف کے پرے ہو گئے ادھر — ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
پیچھے ہٹیں صفیں یہ تلاطم عیاں ہوا
دریا جو باڑھ پر تھا وہ الٹا رواں ہوا

ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پئے جدال — برچھی گری زمین پہ کسی کی کسی کی ڈھال (۶۱)
اللہ ری ہیبت خلف شیر ذوالجلال — کانپی زمیں کھڑے ہوئے روئیں تنوں کے بال
منہ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا
دشت نبرد کھیت بنا زعفران کا

تھا شش جہت میں غل کہ یہ ہے زور انقلاب — الٹے گا اس زمین پہ ورق ابن بوتراب (۶۲)
اس شیر پر نہ ہو گی کوئی فوج فتحیاب — بس اب بنائے عالم امکاں ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوئے شاہ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

ڈر سے ہوا تھی ایک طرف گرد اک طرف (۶۳) بھرتے تھے خیبری بھی دم سرد اک طرف

سمٹے ہوئے تھے کوفے کے نامرد اک طرف　　تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
بھاگے تھے نیزہ باز لڑائی کو چھوڑ کے
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

(۶۴)
تھی ابتری سپاہ ذلالت شعار میں　　اس صف میں تھی وہ صف یہ قطار اس قطار میں
سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں　　وہ جائے امن ڈھونڈتے تھے کارزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدر کے لال کے
نامرد منہ چھپائے تھے گھونگھٹ میں ڈھال کے

(۶۵)
سر کردہائے فوج مخالف تھے بے حواس　　کچھ شمر کے قریب تھے کچھ تھے عمر کے پاس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس　　ضرب علی ہے ضرب علمدار حق شناس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
خیبر کشا کا زور ہے پنجے میں شیر کے

(۶۶)
اس فوج میں تو ہے یہ تزلزل یہ انتشار　　ہتھیار ادھر لگاتے ہیں عباس نامدار
مضطر ہیں بی بیاں شہ والا ہیں بیقرار　　بھائی کے منہ کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کئے ہوئے
روتی ہے سوکھی مشک سکینہ لئے ہوئے

(۶۷)
منہ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بچشم تر　　کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطان بحر و بر
لٹتا ہے باپ تم کو سکینہ نہیں خبر　　جانے نہ دو چچا کو ہمیں چاہتی ہو گر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
دامن قبا کا ننھے سے ہاتھوں سے تھام لو

(۶۸)
بھائی کے اضطراب میں زینب کا ہے یہ حال　　ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھلے ہیں بال
عباس سے یہ کہتی ہے رو کر بصد ملال　　چھوڑو نہ شہ کو اے اسد کبریا کے لال

کیا کہتے ہو سکینہ سے منہ موڑ موڑ کے
بھیا کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

دیکھو تو حال سبط رسول فلک اساس — بیٹی کا غم بھتیجے کا ماتم ہجوم یاس
ہے کثرت سپاہ میں تنہا وہ حق شناس — قربان جاؤں تم تو رہو بیوطن کے پاس (۶۹)
عاشق ہو دلبر اسد ذوالجلال کے
بازو قوی تمھیں سے ہیں زہرا کے لال کے

عباس کہتے ہیں کہ نجاؤں تو کیا کروں — کیونکر نہ حق امام زماں کا ادا کروں
الٹوں صفیں ہزاروں سے تنہا وغا کروں — یہ سر ہے اس لئے کہ قدم پر فدا کروں (۷۰)
جو بچا ہے فیض سید خوشخو کے ہاتھ سے
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو کے ہاتھ سے

رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام — شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
للہ رو کئے نہ اب اے خواہر امام — وہ امر کیجئے کہ بڑھے جس سے میرا نام (۷۱)
بیکس ہوں ساتھ ماں نہیں سر پر پدر نہیں
میں آپ کا غلام تو ہوں گو پسر نہیں

باتیں یہ سن کے روتی ہیں زینب جھکائے سر — تھرا رہی ہے زوجۂ عباس نامور
چہرہ تو فق ہے گود میں ہے چاند سا پسر — مانع ہے شرم روتی ہے منہ پھیر پھیر کر (۷۲)
موقع نہ روکنے کا ہے نے بول سکتی ہے
حضرت کے منہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے

کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار — ہم کو تباہ کرتے ہیں عباس نامدار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار — کچھ آپ بولتی نہیں اس وقت میں نثار (۷۳)
کہئے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو

اب عنقریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو

اکبر کا واسطہ کوئی تدبیر کیجئے　　امداد بہر حضرت شبیر کیجئے
کچھ دل کو ہو قرار وہ تقریر کیجئے　(۷۴)　ٹیکا وہ باندھتے ہیں نہ تاخیر کیجئے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی میں کیا کروں مرے اچھے صغیر ہیں

عباس دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار　　ہوتا ہے تیر غم جو جگر ناتواں کے پار
روتے ہیں خود مگر یہ اشارہ ہے بار بار　(۷۵)　شوہر کے غم میں یوں کوئی ہوتا ہے بیقرار
آؤ ادب سے دلبر زہرا کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے

کھولا ہے گوندھے بالوں کو صاحب یہ کیا کیا　　پیٹو سروں کو روتا ہے فرزند مہ لقا
خیر النسا کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا　(۷۶)　شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا
ایذا میں صبر صاحب ہمت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے تمھارا بھی نام ہے

لو پونچھ ڈالو آنسوؤں کو بہر ذوالجلال　　دیکھو زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
میری مفارقت کا نہ کیجیو کبھی خیال　(۷۷)　قائم تمھارے سر پہ ہے فاطمہ کا لال
غم چاہیئے نہ آہ و بکا چاہیئے تمھیں
شہ کی سلامتی کی دعا چاہیئے تمھیں

صدقے ہیں ابن فاطمہ پر مجھ سے سو غلام　　دیکھو نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
کیا اشک خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام　(۷۸)　ہم ہاتھ جوڑتے ہیں یہ ہے صبر کا مقام
پوچھیں حضور گر کہ تمھیں کیا قبول ہے
صاحب یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے

دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار (۷۹) آداب شہ سے چپ ہیں نہیں کوئی بیقرار
رہ جائے بات امر دہ کرتے ہیں ہوشیار — دنیا ہے بے ثبات زمانہ ہے بے مدار
سو ایسے تفرقے ہوئے ہیں ایک آن میں
صاحب سے کوئی بھی جیا ہے جہان میں

قاسم کو دیکھو جانب کبرا کرو نگاہ — گذری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ (۸۰) کیا صابرہ ہے دختر شبیر واہ واہ
سہتی ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونیکی
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہے رونیکی

آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بی بیاں — ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جائے دل مگر نہ اٹھے آہ کا دھواں (۸۱) اف کیجیو نہ منہ سے جو پہونچے لبوں پہ جاں
چرچا ہے کہ وقت پہ کیسا کام کر گئی
چھوٹی بہو علی کی بڑا نام کر گئی

شوہر نے یہ کلام کیے جب بچشم تر — چپ ہو گئی وہ صاحب ہمت جھکا کے سر
بیتاب سج کے حضرت عباس نامور (۸۲) آئے قریب لخت دل سید البشر
صدمے سے رنگ سبط نبی زرد ہو گیا
کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا

جوں جوں قریب آتے تھے عباس نامور — بیتاب تھے حسین سنبھالے ہوئے جگر
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر ادھر ادھر (۸۳) جینے نہ دیگا آہ ہمیں صدمہ کمر
ہے زیست تلخ فاطمہ کے نور عین کو
زینب کہاں ہو آکے سنبھالو حسین کو

سب گھر کی بی بیوں کو کہو میرے پاس آئیں (۸۴) بانو کہاں ہیں زوجہ عباس کو بلائیں

گودی میں تشنہ کام سکینہ کو جلد لائیں — کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں آکے دیکھ جائیں
یہ نوجوان سنبھالیگا جبکہ دم مروں گا میں
عباس سے ہر اک کی سفارش کرونگا میں

یہ سنکے ساری بی بیاں آئیں بحالِ زار — بولے قدم پہ جھک کے یہ عباس نامدار
اے آفتاب عالمیاں نور کردگار (۸۵) ہل من مبارز کا ادھر غل ہے بار بار
ہیں ذرہ پروری کے چلن آفتاب میں
آقا یہ دیر کس لئے خادم کے باب میں

لڑکوں نے معرکہ میں کئے اپنے اپنے نام — کیا میں غلام خاص نہیں یا شہ انام
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئیگا یا امام (۸۶) کس کام کا جو آج نہ کام آئیگا غلام
مشکل ہے ایسے وقت میں رکنا دلیر کا
آخر پسر ہوں شیر الٰہی سے شیر کا

ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادم اے جناب — خوش ہوتی خاکسار سے روح ابو تراب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب (۸۷) زہرا سے بھی حجاب ہے شبر سے بھی حجاب
اب بھی نہ تیغ دیں اگر تن پہ کھاؤں گا
مولا بتائیے پھر کسے منہ دکھاؤں گا

ساتھ آپ کے سہوں گا نہ گر قتل کی جفا — مجھ سے رسول پاک خوشی ہوں گے یا خفا
بیزار کیا نہ ہوگا دل ستاد قل کفا (۸۸) پھر فاطمہ کہیں گی مجھے صاحب وفا
مرنے کا حظ نہ جینے کا مطلق مزا رہا
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا

پالا ہے مجھکو باشہ دلگیر آپنے — کی ہے ہمیشہ پیار سے توقیر آپ نے
بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپنے (۸۹) بخشی ہے سب میں عزت و توقیر آپنے

وقت مدد ہے آج بھی امداد کیجئے
بندہ سمجھ کے اب مجھے آزاد کیجئے

گردن ہلا کے شہ نے کہا آہ کیا کروں | مشکل ہے سخت اے مرے اللہ کیا کروں
(۹۰)
جینے نہ دیگا یہ غم جانکاہ کیا کروں | چھٹتا ہے اب برادر ذیجاہ کیا کروں
دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہو گئی
سب تو خفا تھے موت بھی بیزار ہو گئی

غازی نے رکھدیا قدم شاہ دیں پہ سر | بولے گلے لگا کے شہنشاہ بحر و بر
(۹۱)
اے تن کی جان اے سبب قوت جگر | یوں ہی خوشی تو خیر جہاں سے کرو سفر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے
اچھا تمھارا کوچ مرا پا تراب ہے

روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری | سب رو دیئے ہنسا کے دوش مبارک پہ جب دھری
(۹۲)
اک آہ سرد زوجۂ عباس نے بھری | صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
سر سے ردا بھی دوش تلک آ کے گر پڑی
بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لئے | حجرے کو آئی فتح سپاہ حشم لئے
(۹۳)
جرأت نے بڑھ کے بوسہ تیغ دودم لئے | نصرت نے چومے ہاتھ ظفر نے قدم لئے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہما بن کے پھر گیا

آیا سجا ہوا تھا وہ براق سمند شیر | تھا خود فلک پہ اڑنے کو طیار مثل طیر
(۹۴)
ہوتا تھا اس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر | الحق سپاہ شر اسے روکے تو بخیر
صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی

ڈھونڈے بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

وہ زیب زین زین کی وہ ساز وہ پھبن　　زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دولھن
چشم سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن (۹۵) سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
جادو تھا معجزہ تھا پری تھا طلسم تھا
پاکھر نہ تھی زرہ میں تہمتن کا زور تھا

رکھا قدم رکاب میں حیدر کے لال نے　　نعلین پا کو فخر سے چوما ہلال نے
بخشی جو صدر زین کو ضیا خوش جمال نے (۹۶) دُم کو جنبور کیا فرس بے مثال نے
کس ناز سے وہ رشک غزال ختن چلا
طاؤس تھا کہ سیر کو سوئے چمن چلا

خوشبو سے ارض پاک ریاض جناں بنی　　گرد اڑ کے غازۂ رخ لیلی وشاں چلی
جلوے سے راہ دشت بلا کہکشاں بنی (۹۷) ذرے بنے نجوم زمیں آسماں بنی
سُم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے
نقشِ سُم فرس سے ہزاروں ہلال تھے

وہ دبدبہ وہ سطوت شاہانہ وہ تب و تاب　　تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
وہ رعب حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب (۹۸) صولت میں فرد فر جرأت میں انتخاب
صورت میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علی کے ہیں

پہونچے جو دشت کیں میں اڑاتے ہوئے فرس　　گھوڑے کو ہاتھ اٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
دیکھیں صفیں جمی جو چپ و راست و پیش و پس (۹۹) نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس
روکیگا جو وہ موت کے پنجے میں آئے گا
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا

بولے یہ بڑھ کے فوج مخالف سے پہلواں — دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکر گراں
یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں (۱۰۰) — ہاں آئیے تو کھنچے تیغ شررفشاں
بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
سر پھینک دیں گے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

سنتے ہی یہ جلال میں آیا علی کا لال — نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے کیا مجال
یہ مورچے ہیں کیا ہمیں جنکا ہو کچھ خیال (۱۰۱) — اک دم میں چونٹیوں کی طرح ہوں گے پائمال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لو مرد ہو تو اب نہ سر کنا ترائی سے

روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو — لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو (۱۰۲) — آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو
وہ ہاتھ ہیں علیؑ کے پسر وار پار ہیں
دریا نہیں کہ رک گیا ہم ذوالفقار ہیں

ہم کیا پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں — شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
مہلت نہ ایک کو دم جنگ و جدال دیں (۱۰۳) — پانی تو کیا ہے آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
منہ دیکھتے ہیں جو ہیں نگہبان گھاٹ کے
لیجائیں گے پھر تیغ سے دریا کو کاٹ کے

سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر — دادا شجاع باپ جوانمرد ہم دلیر
جب رن پڑا ہے کر دیے ہیں زخمیوں کے ڈھیر (۱۰۴) — لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
بیر العلم میں کود کے تلواریں ماری ہیں

جرأت جلو میں رہتی ہے نصرت رکاب میں (۱۰۵) — سر کاٹتے ہیں پھر کے تیغوں کی آب میں

لکھے ہوئے ہیں شیر دل کے حملے کتاب میں   فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
ناصر ہیں بارگاہ فلک بارگاہ کے
دفتر الٹ دیئے ہیں عرب کی سپاہ کے

بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب   گرمی ہے پیاس سے کئی بچے ہیں تشنہ لب
اصغر کو گود ہی میں تڑپتے کٹی ہے شب   (۱۰۶) کیا وقت ہے حسین کے بچوں پہ ہے غضب
لالے پڑے ہوئے ہیں سکینہ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے

عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور سوالِ آب   سقے بنے ہیں بچے کے بچوں کا اضطراب
اس مشک نے کیا ہمیں عقبیٰ میں کامیاب (۱۰۷)   اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہ سے نشانِ فوج پیمبر بھی مل گیا
طوبیٰ کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا

یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے   نیزے اٹھا کے شیر کے منہ پر شریر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثلِ شہِ قلعہ گیر آئے   (۱۰۸) گیتی ہلی غضب میں جناب امیر آئے
گھوڑا اڑا پروں کو سواروں کے توڑ کے
لپکی صفوں پہ صیف بھی کاٹھی کو چھوڑ کے

آندھی تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا   یہ صف اخیر تھی وہ رسالہ تمام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرسِ تیز گام تھا   (۱۰۹) ششدر تھی موت چار طرف قتلِ عام تھا
اس غول پر کبھی تھی کبھی اس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

وہ تیغ کی چمک وہ تڑپ راہوار کی   رفرف کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
شوکت سوار ہیں شہِ دلدل سوار کی   (۱۱۰) حملوں میں شان سب اسدِ کردگار کی

چتون وہی غضب وہی بے باکیاں وہی
پھرتی وہی جھپٹ وہی چالاکیاں وہی

(۱۱۱)
توڑا وہ مورچہ یہ صف الٹی ادھر پھرے
تلوار خوں میں آپ پسینے میں تر پھرے
یوں خاک پر گرا کے لعینوں کے سر پھرے
جیسے شکار کھیلتے ہوئے شیر نر پھرے
تھی قہر کی نگاہ غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سرخ سرخ تھیں چہرہ بھی لال تھا

(۱۱۲)
منہ پھر گئے سپاہ کے جس سمت رخ کیا
یاں سے وہاں گئے اسے مارا اسے لیا
باقی رہے ہزار میں سو دس میں اک جیا
اللہ رے دم لہو پہ لہو تیغ نے پیا
اسیر بھی تشنگی میں نہ تسکیں ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اسکے بھری ہوئی

(۱۱۳)
بیشک تھا ان کا ہاتھ امیر عرب کا ہاتھ
پہونچا دعا میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
آئی اجل اٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ
شیر خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
بازو پہ آئی تیغ دو دم شانہ کاٹ کے
پہونچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

(۱۱۴)
چلتا تھا مثل برق یمین و یسار ہاتھ
ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
ان کی نہ ایک چوٹ نہ ان کے ہزار ہاتھ
کافی تھے سب کو تیغ دو دستی کے چار ہاتھ
آواز ششجہت میں تکبیر و بزن کی تھی
اللہ کا کرم تھا مدد پنجتن کی تھی

(۱۱۵)
نعرہ جدا صدائے تکبیر و بدہ جدا
گوشے کماں سے دور تھے گوشوں سے زہ جدا
بکتر جدا زمیں پہ ٹکڑے زرہ جدا
نیزوں کو دیکھئے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے

کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

جس کی طرف نظر دم جنگ و جدل پھری — کچھ ہٹ کے تیغ سے اُسی جانب اجل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل پھری — تلوار بھی گلوں کی طرف بے محل پھری (۱۱۶)
ایسے جری سے کس کو مجال مصاف تھی
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں — ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
سر بچ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں — چمکی گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں (۱۱۷)
چلائی روح تیغ پھر آئی نکل چلو
بولی اجل اب اُٹھ کے تو بچ کے نکل چلو

نیزے اُدھر قلم تو اِدھر برچھیاں قلم — ترکش دو نیم ٹکڑے کمانیں نشاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم — منہ تیغ کا خراب سنانوں کی زباں قلم (۱۱۸)
جب سن سے سر پہ آئی کسی بدخصال کے
گویا سموم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کے

کی جس نے سرکشی وہیں فتنہ فرو ہوا — ظالم ہزار میں تھا جو یکتا وہ دو ہوا
افشاں لہو سے تیر کا دست نکو ہوا — ٹھنڈا وہی تھا جنگ پہ گرم جو ہوا (۱۱۹)
تھا خاتمہ سپاہ جہنم مقام کا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار — تھا اُس کے ہاتھ سے دل جار آئینہ فگار
عاری تھیں منہ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار — خود اپنے سر جھکتے تھے گر گر کے بار بار (۱۲۰)
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
ہے آج تک زرہ کا کلیجہ چھنا ہوا

مغفر نہ سر کے پاس نہ خنجر کمر کے پاس — بیٹے کے پاس باپ نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضے کے پاس تیغ نہ دستہ تبر کے پاس (۱۲۱) کڑیاں زرہ کے پاس نہ دامن سپر کے پاس
نیزے نہ تھے سنانیں نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھا نہ چلّہ کمان پر

نہ وہ علم سیاہ نہ وہ رو سیاہ تھے — تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی بے پناہ تھے
بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے (۱۲۲) سب چھاؤنی اجاڑ محلّے تباہ تھے
دکھلا دیا تھا خالقِ اکبر کے قہر کو
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے (۱۲۳) اُس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
ہر جا یہ تیغِ شعلہ فشاں سدِّ راہ ہے — اس معرکہ میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہے
جنّات ڈر کے ہاتھوں سے منہ ڈھانپتے ہیں آج
میں کیا ہوں جبرئیل کے پر کانپتے ہیں آج

ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سیاہ لعیں ہٹی — یہ صف سوئے یسار وہ سوئے یمیں ہٹی
سہمے جیالے نہر کہیں سے کہیں ہٹی (۱۲۴) دہشت سے آسماں ہوا اونچا زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتیِ گردوں پہ چڑھ گیا

اللہ رے جنگ شیرِ سلیمانِ کربلا — چونٹی بھی مورچوں میں نہ تھی آدمی تو کیا
پہونچے ترائی میں تو یہ اعدا کو دی صدا (۱۲۵) کیوں یہ اب نہر کس کی ہے اے قومِ اشقیا
اک دم میں ہم شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

رستے کھلے ہوئے ہیں کہاں ہے وہ بند و بست (۱۲۶) کس نے یہ روم شام کی فوجونکو دی شکست

کیا ہوگئی ترائی سے وہ سب ہوا پرست ... کیوں سر بلند کون ہے اسوقت کون پست
فوجیں یوں کسی نے گھوڑے اڑائے ہیں
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑکے آئے ہیں

(۱۲۷)
دنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے ... فاقوں میں شیر بھی ہو مقابل تو منہ کی کھائے
کس دبدبہ سے جوہر تیغ علی دکھائے ... اب کچھ الم نہیں جو اجل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا مشک بھر چکے
شیروں نے جو زبان سے کہا تھا وہ کر چکے

(۱۲۸)
لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس ... چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھائیں پیاس
پر زہر ہے بغیر شہ آسماں اساس ... مرتے ہیں آبرو پہ جوانان حق شناس
آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے
بے انکے آب خضر بھی ہووے تو خاک ہے

(۱۲۹)
فرما کے یہ سمند کو ڈالا فرات میں ... گویا خضر اوتر گئے آب حیات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں ... تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک بات میں
سیراب جب تلک کہ شہ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

(۱۳۰)
گرمی سے تشنگی میں کلیجہ تھا آب آب ... تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
آجاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب ... کہتا تھا منہ کو پھیر کے وہ آسماں جناب
عباس آبرو میں ابھی فرق آئے گا
پانی پیا تو نام وفا ڈوب جائیگا

(۱۳۱)
دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ نیک نام ... اُمڈی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہ شام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسمان مقام ... ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہ تمام

موجیں تھیں رود نیل کی فوجوں کا دل نہ تھا
پرواہ رے حواس کہ ابرو نہ بل نہ تھا

چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغ برق دم
کاندھے پہ مشک آب تھی پنجے میں تھا علم
دامن سے لگ کے ہاتھ الجھتا تھا دمبدم
(۱۳۲) گرتا تھا جا بجا تگ و دو اسپ خوش قدم
اڑ اڑ کے برچھیوں جو اترتا تھا کھیت میں
گھوڑوں کے چاروں پاؤں دھنس جاتے تھے ریت میں

جب مشک کیطرف کوئی آتا تھا سن کے تیر
کہتے تھے یا حفیظ کبھی گاہ یا قدیر
چلّا رہا تھا شمر جفا پیشہ و شریر
(۱۳۳) جانے نہ پائے لختِ دل شاہ قلعہ گیر
رخ اس جری کا خیمے کی جانب کو موڑ دو
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینہ کو توڑ دو

سنکر زباں درازی شمر ستم شعار
عباس مثل شیر جھپٹتے تھے بار بار
تلواریں سینکڑوں تھیں ہزاروں تھی نیزہ دار
(۱۳۴) توڑی یہ صف اگر تو جمی دوسری قطار
تنہا سنبھالے مشک و علم یا وغا کرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جبر وہ کیا کرے

مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو اشر
در پے تھے اک جواں کیلئے لاکھ اہل شر
کھائے اُدھر سے زخم جو کی اُسطرف نظر
(۱۳۵) کس کس کا وار رد کریں دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینہ پہ سو تیر چل گئے
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

سینہ سپر تھا مشک پہ روکے ہوئے تھی ڈھال
لڑنے میں بھی حسین کے بچوں کا تھا خیال
کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوشخصال
(۱۳۶) فرزند کو سنبھالیے یا شیر ذوالجلال
جا پہونچوں مشک لیکے جو تھوڑی بھی راہ ہو

ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکرِ کثیر — بس چور ہو گیا پسرِ شاہ قلعہ گیر
(۱۳۷)
اکبر لگا میان دو ابرو جو ایک تیر — تیورا گیا علیؑ ولی کا مہ منیر
چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رک گئے
پھیلا کے ہاتھ مشک سکینہ پہ جھک گئے

اب یاں تو خاتمہ ہے سنو اس طرف کا حال — ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولِ خدا کا لال
(۱۳۸)
غم سے کمر جھکی ہوئی رخ زرد جی نڈھال — یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقتِ انتقال
گر گر اٹھے تڑپ کے ادھر سے ادھر گئے
جب آہ کی تو سب نے یہ جانا مر گئے

فریاد کر کے دل کبھی تھاما جگر کبھی — پکڑی طناب خیمے کی گہ اور کمر کبھی
(۱۳۹)
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی — روئے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہرا کی جائی کے
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

فرماتے تھے کراہ کے اکبر سے بار بار — بیٹا نے دباؤ اے علی اکبرؑ پدر نثار
(۱۴۰)
کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار — بازو کا زور لے گئے عباس نامدار
واحسرتا کہ بیکس و بے یار ہو گئے
سر کس سے پیٹیں ہاتھ تو بیکار ہو گئے

چلاتے تھے کہ جان برادر بس اب پھر آؤ — پہونچا ہے دم لبوں پہ ہمیں آ کے دیکھ جاؤ
(۱۴۱)
بھیا خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ — عباس ہم اخیر ہیں تشریف جلد لاؤ
پیاری تمہاری ننھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے

وہ تم کو ڈھونڈھنے کو سکینہ نکلتی ہے

حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال
خیمے میں غش ہے زوجہ عباس خوشخصال
ڈیوڑھی میں اہل بیت ہیں سب کھولے سر کے بال (۱۴۲)
پردے سے منہ نکالے ہیں اطفال خرد سال
لب اُن کے اودے اودے ہیں منہ گورے گورے ہیں
آنکھوں میں اشک ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر
اب پانی لیکے آتے ہیں عباس نامور
حضرت سے پوچھتی ہے سکینہ بچشم تر (۱۴۳)
میرے چچا کب آئیں گے بادشاہ بحر و بر
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئیں گے
بہلاتے ہیں حسینؑ کہ بی بی اب آئیں گے

گھیرے ہیں ان کو لاکھ ستمگار ہائے ہائے
مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
وہ کہتی ہے ہیں پانی سے گذری نہ مشک آئے (۱۴۴)
ہے ہے بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
رکھے خدا جہاں میں علیؑ کی نشانی کو
میں کیا کروں گی آگ لگے ایسے پانی کو

یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر
تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہ بحر و بر
چلائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہل شر (۱۴۵)
حضرت کہاں ہیں مر گئے عباس نامور
کیا کیا کھلی ہیں تیغ پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر تڑپتا ہے ترائی میں

افشاں ہے پیکر خون کی چھینٹوں سے سب نشان
عباسؑ کانپ جاتے تھے جھکتا تھا جب نشان
نام آوروں نے آج مٹایا عجب نشان (۱۴۶)
کیوں اے حسین کون اٹھائے گا اب نشان
لاش اسکی پائمال ہوئی زخم پھٹ گئے
جن میں علی کا زور تھا وہ ہاتھ کٹ گئے

آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار — آقا تمام ہوتا ہے یہ عبد جان نثار
تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکی ہے جان زار (۱۴۷) — اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں
حضرت کی والدہ مرے لینے کو آئی ہیں

شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان — گھر لٹ گیا ہے خاک اڑاتا ہوں بھائی جان
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان (۱۴۸) — اک اک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان
دست شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیّا ہمیں تو اکبر مہ رو سنبھالے ہیں

دیکھا جو در سے بنت علی نے یہ شہ کا حال — ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم کھولے سر کے بال
چلائی کون قتل ہوا اے علی کے لال (۱۴۹) — مڑ کر کہا حسین نے عباس خوشخصال
دریا پہ فوج شام نے مارا دلیر کو
زینب اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

خورشید مشرقین زمانے سے اُٹھ گیا — حیدر کا نور عین زمانے سے اُٹھ گیا
وہ عاشق حسین زمانے سے اُٹھ گیا (۱۵۰) — زینب ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا
آتا نہیں قرار دل بیقرار کو
دریا پہ روئے جاتے ہیں خدمت گزار کو

اکبر کو ہاتھ اٹھا کے پکاری وہ سوگوار — ہے ہے حسین ہو گئے بے یار و غمگسار
ماتم جوان بھائی کا ہے سینہ میں شرار (۱۵۱) — اکبر خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
گرنے لگیں تو حیدر صفدر کا نام لو
بیٹا پدر کے ہاتھوں کو مضبوط تھام لو

اکبر پدر کو نہر پہ تھامے ہوئے جو لائے (۱۵۲) غلطاں لہو میں بازوئے سرور کے ہاتھ پائے

چلائے شاہ لاش کدھر ہے کوئی بتائے
فرق آگیا ہماری بصارت میں ہائے ہائے
رو لیں گلے لگا کے تن پاش پاش کو
اکبرؑ ہمیں دکھا دو برادر کی لاش کو

اکبرؑ نے شہ کے ہاتھ کو پکڑا بصد بکا
رکھے چچا کے سینے پہ اور رو کے یہ کہا
یہ ہے یہی ہے لاش علمدار باوفا
(۱۵۳)
چلائے جھک کے لاش پہ سلطان کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے سنبھالو حسین کو
بھیّا ذرا گلے سے لگا لو حسین کو

عباسؑ ہاتھ کٹ گئے رستانوں نے ہی غضب
ریتی پہ دو طرف یہ تمھارا لہو ہے سب
لوٹا ہمیں رسول کی اُمت نے بے سبب
(۱۵۴)
بھیا ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مرجائیں گے جلا دو ہمیں منہ سے بول کر
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

کیوں خاک پر دھرے ہیں یہ رخسار خوں میں تر
آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمھارا سر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
(۱۵۵)
ثابت ہوا کہ جلد ہے دنیا سے اب سفر
ہے ہے دلیل مرگ ہے لکنت زبان کی
ہچکی نہیں یہ جسم سے رخصت ہے جان کی

غش میں سُنی جو گریۂ شبیر کی صدا
چونکے تڑپ کے حضرت عباسؑ باوفا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مصطفیٰ
(۱۵۶)
اس پیار کے نثار اس الطاف کے فدا
زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو
گویا رسول آئے ہیں مشکلکشائی کو

یہ کہہ کے روئے شہ کیطرف کی نظر بغور
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیا کہو کچھ اور
تڑپا قدم پہ شہ کے وہ مقتول ظلم جور
(۱۵۷)
لیں ہچکیاں بگڑنے لگے تیوروں کے طور

تھرا کے چشم اشک فشاں بند ہو گئی
تھرائے دونوں ہونٹ زباں بند ہو گئی

قدموں کو کھینچ کر جو گرایا وہ نیک نام — گودی میں لیکے پاؤں دبانے لگے امام
آقا سے جاں کنی میں نہ کچھ کر سکے کلام (۱۵۸) تھرائی لاش مر گئے عباس تشنہ کام
گردن پھری ہوئی سوئے سبط نبی رہی
سوکھی زباں دانتوں کے نیچے دبی رہی

ہاں روؤ مومنو یہ بکا کا مقام ہے — تم میں شریک روح رسول انام ہے
اب رخصت حسین علیہ السلام ہے (۱۵۹) تاریخ آٹھویں ہے محرم تمام ہے
موت آئی تو شریک عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جئے گا وہ پھر شہ کو روئے گا

آگے تمہارے مرتے جو عباس با وفا — پرسا نہ دیتے سبط رسول کو کیا
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہ کربلا (۱۶۰) زہرا بھی ننگے سر ہیں قیامت کروبپا
سمجھو شریک بزم شہ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پرسا حسین کو

بیٹھو سروں کو ہوتا ہے اب مرثیہ تمام — لیٹو ضریح پاک سے کہہ کہکے یا امام
رخصت طلب ہے ہائے اکبر سا لالہ فام (۱۶۱) خاموش ہیں حسین نہیں کرتے کچھ کلام
مقتول ظلم و جور ہے اب جان فاطمہ
ہوتا ہے پنجتن کا کوئی دم میں خاتمہ

بس اے انیس روک لے اب خامہ کی عناں — یہ غم ہے جانگزا نہ کبھی ہو سکے گا بیاں
آنکھوں سے سامعین کی بھی اشک ہیں رواں (۱۶۲) خالق سے عرض کر کہ اے خلاق انس و جاں
آنکھوں سے مس کروں میں مزار بتول کو
دکھلا دے جلد مرقد سبط رسول کو۔

گلگونۂ رخسار فلک گرد ہے رن کی

(از دبیر)

گلگونۂ رخسار فلک گرد ہے رن کی — ہر خار میں خوشبو ہے بہشتوں کے چمن کی
(۱)
خورشید لئے بانۂ چوب کرن کی — کہتا ہے کہ آمد ہے خداوند زمن کی
مانند براق نبوی رخش ہے رہ میں
روح القدس آتے ہیں خوزادے کی جلو میں

رخشندہ ہے رن مہر درخشاں کی ہے آمد — ایمن ہو ابن موسیٰ عمراں کی ہے آمد
(۲)
جن پڑھتے ہیں کلمہ کہ سلیماں کی ہے آمد — سجدے میں ہیں سب قبلۂ ایماں کی ہے آمد
پریوں کے پرے قاف میں بیہوش پڑے ہیں
پر خوف سے بالائے بدن بال کھڑے ہیں

رن میں ہے خلف ضیغم داور کی ہے آمد — رخشندہ ہیں ذرے شہ خاور کی ہے آمد
(۳)
اعدا ہیں ہرن شیر دلاور کی ہے آمد — دریائے تہور کے شناور کی ہے آمد
بالائے زمیں گرد سواری کی نہیں ہے
پردے میں بلا گرد زمیں چرخ بریں ہے

ان نور زمیں نور جہاں نور ہوا ہے — ظلمات تلک نور سے معمور ہوا ہے
(۴)
دریا صفت تختۂ بلور ہوا ہے — اب سوکھ کے کانٹا شجر طور ہوا ہے
عالم ہے ستاروں کا جو کانٹوں کی چمک پر
ہنستی ہے زمیں ذروں کے دانتوں سے فلک پر

کیا یمن تجلی ورود شہ دیں ہے — روشن ہے فلک پر کہ زمیں عرش بریں ہے
(۵)
جو ذرہ ہے خورشید کی مسند پہ مکیں ہے — نکہت وہ ہی جو صحن جناں رن کی زمیں ہے

اس مہر سے ذرّوں کی جو تقدیر لڑی ہے
دن کو رخ خورشید پہ آج اوس پڑی ہے

مخشر ہے عیاں ہیبت سلطان زمن سے ——— اک لخت رواں تیغ ہے اعدا کے بدن سے
(۶)
شیروں کو تعرض نہیں صحرا کے ہرن سے ——— شاہین کے پر جلتے ہیں اب کبک چمن سے
یہ مصحف رخ بلبلوں کے پیش نظر ہے
ہر باغ میں سیپارۂ گل زیر و زبر ہے

باران ہے نے رعد ہے نے برق فلک پر ——— یہ اشک ہے وہ نالہ یہ آہِ دلِ مُضطر
(۷)
نے ماہ نہ خورشید نہ گردوں ہے نہ اختر ——— وہ داغ وہ رعشہ وہ دھواں اور وہ اخگر
الیاس و خضر کو ہوس سیر نہیں ہے
سیاروں کو ثابت ہے کہ اب خیر نہیں ہے

اطلس کے بچھونے پہ فلک کو نہیں آرام ——— اس مرتبہ کوٹا ہے کہ نیلا ہے سب اندام
(۸)
سیاروں پہ ثابت ہوئی اب گردش ایّام ——— خورشید سحر کے لئے اب حشر کی ہے شام
اک دم قدم گاوِ زمیں جم نہیں سکتے
گردش میں ہیں پر قطبیں فلک تھم نہیں سکتے

عدل شہ والا کا چراغ اب ہوا روشن ——— فانوس ہے شمع بگولے کا ہے دامن
(۹)
ہے ایک جگہ باز و کبوتر کا نشیمن ——— بجلی ابھی جل جائے جو دیکھے سوئے خرمن
اللہ رے اثر معدلت شاہ زمان کا
دل سوز شرر پنبہ گلہ ہے ماہ کتاں کا

ذرّوں کی نگاہوں میں سماتا نہیں گردوں ——— کیا دب گیا ہے سر کو اٹھاتا نہیں گردوں
(۱۰)
کس سمت بھٹکتا ہوا جاتا نہیں گردوں ——— پر امن کا گوشہ کہیں پاتا نہیں گردوں
گردش مہ خورشید کو گردونہ نہیں ہے

پتلیاں پھرتی ہیں دمِ باز پسیں ہے

(۱۱)
شیروں کا بیشہ ہے نہ آہو کا ختن آج — مچھلی کا نہ دریا ہے نہ بلبل کا چمن آج
لعلوں کا بدخشاں ہے نہ موتی کا عدن آج — مصر و حلب و زنگ ہے نے روم و یمن آج
رہ جائینگے خود برق کے پرکالے بھی جل کر
بہ جائیں گے تلواروں کے جوہر بھی پگھلکر

(۱۲)
کہتی ہے زمیں گنبدِ گردوں سے ٹھہر جا — ہستی سے ہے پیغامِ اجل رن سے گذر جا
شہرہ جو رخشِ فلک سیر کا ہر جا — دل پھٹ گیا بادل کا نہ پھر رعد بھی گرجا
بجلی کی تڑپ اور کڑک آج کہاں ہے
بن بن کے شرر لعل تگادریں کہاں ہے

(۱۳)
نے لعل یمن میں ہے نہ دریا میں گہر ہے — آنسو ہے یہ سوکھا ہوا وہ خون جگر ہے
اس دم چمنِ دہر میں جو شاخ شجر ہے — وہ شاخ ہے آہو کی نہ گل ہے نہ ثمر ہے
گل چینوں کے رخ گلشنِ ہستی سے مڑے ہیں
صیادوں کے بلبل کی طرح ہوش اڑے ہیں

(۱۴)
رن میں ہے عجب دبدبۂ خسروِ عادل — شمشیر ہر اک نشتر جوہر سے ہے بسمل
جوڑے ہوئے ہاتھوں کو ادب سے ہے حلاجل — سمٹی سپر ایسی کہ ہتھیلی کا بنا تل
تیغیں ہیں نیاموں میں مگر آب نہیں ہے
ناوک ہیں ملے چلوں سے پر تاب نہیں ہے

(۱۵)
دریا میں جو ہے شور تو میداں میں ہل چل — ایک ایک کا ہے مشورہ لشکر سے نکل چل
سر پاؤں پہ پڑتا ہے ارے جلد سنبھل چل — نقارے بھی دمادم یہی کہتے ہیں کہ چل چل
پتلی تو ہر اک دٹ میں مژگاں میں نہاں ہے
بینائی مگر دیدۂ مردم سے رواں ہے

(۱۶)

تائیدِ خدا پشت پہ ہے فتح و ظفر پیش   جس طرح سے اک حرف پہ ہوں زیر و زبر پیش
مومن کو سبق سورۂ توحید کا در پیش   ہے سورۂ اخلاص جدا شام و سحر پیش
واں سورہ میں اک زیر ہے یاں شانِ خدا ہے
یاں زیر نہیں پشت پہ تائیدِ خدا ہے

(۱۷)

تقریر ہے آپس میں یہی اہلِ ستم کی   آمد ہے ابھی رن میں شہنشاہِ امم کی
موقوف ہے پر آمدِ شہ سینہ میں دم کی   دم ہوگا عدم تیغ دو دم زیں ہے جو چمکی
لڑتا نہیں کچھ ذہن کوئی خاک لڑے گا
رن ہوگا نہ بن ہوگا وہ رن آج پڑے گا

(۱۸)

نامردوں سے ابنِ شہِ مرداں نہیں رکتا   ہاں مورچوں سے رخشِ سلیماں نہیں رکتا
بے خون پئے خنجرِ براں نہیں رکتا   بے غرق کیے نوح کا طوفاں نہیں رکتا
لڑتا نہیں در پیش عذاب اپنے لیے ہیں
اب ان کا بھگتنا ہے جو اعمال کیے ہیں

(۱۹)

اب ہم ہیں نہ تم ہو نہ یہ لشکر نہ نشاں ہے   اب تیغ ہے نے تیر نہ حلہ نہ کماں ہے
آنکھیں ہیں نہ چہرہ نہ دہن ہے نہ زباں ہے   سر دوش سے دل سینہ سے جاں تن سے رواں ہے
تا شام نہ تسکیں سپہِ شام کو ہوگی
چیونٹی بھی نہ اب مورچوں میں نام کو ہوگی

(۲۰)

مانگیں جو اماں اب بھی شہِ دیں سے تو پائیں   اغلب ہے کہ امت پہ نہ پھر ہاتھ اٹھائیں
منہ اپنے تو ایسے نہیں کیا جا کے دکھائیں   اکبر کی جوانی کے مرقع کو مٹائیں
اس طرح مسافر کو کوئی لٹتے نہیں دیکھا
سردار کو یوں فوج سے چھٹتے نہیں دیکھا

(۲۱)

اب سمجھے کہ بیکس کا ستانا نہیں اچھا   اولادِ پیمبر کا رلانا نہیں اچھا

دل آزردہ سیدوں کا دکھانا نہیں اچھا — سید پہ کبھی ہاتھ اٹھانا نہیں اچھا

سیدانیوں کی آہ سے وسواس نہیں ہے
مہمان بلانے کا بھی کچھ پاس نہیں ہے

کیا کیا ستم و جور ہوئے آج نہ ہم سے — زخمی سر عباسؑ کیا گرز ستم سے
(۲۲)
ٹوٹی کمر شاہ ہدا بھائی کے غم سے — سیدھے نہیں ہو سکتے ہیں اس بار الم سے

زخمی سے کیا برچھی سے جگر نور نظر کا
حضرت کے کلیجہ کو کیا داغ پسر کا

زینب کے جگر گوشوں پہ بھی چل گئے بھالے — بیدم ہوئے شبیر کی آغوش کے پالے
(۲۳)
کب تک شہ گلگونِ رسل دل کو سنبھالے — شہ ایک طرف روتے ہیں سب دیکھنے والے

زینب کے وہ رونے کی صدا آتی ہے یارو
ماتم میں جگر گوشوں کے چلاتی ہے یارو

بعضے یہ سبب بعضے یہ سن سن کے پکارے — مردے ہوئے جاتے ہو عبث خوف کے مارے
(۲۴)
دریافت کرو حال تو شبیر کا بارے — رخ رن کا ہے یا جاتے ہیں دریا کے کنارے

رن میں نہ تہیہ وہ لڑائی کریں گے
پیاسے ہیں بہت قصد ترائی کا کریں گے۔

ناگاہ نمایاں ہوا اک پیک بہت شاد — چلایا مبارک ہو مٹی جنگ کی بنیاد
(۲۵)
ہے قابل عبرت شہ مظلوم کی روداد — بیدوں کے کہوں بین و یا بچوں کی فریاد

فرزند نبی رخصت کہن مانگ رہا ہے
روتی ہے بہن بھائی کفن مانگ رہا ہے

کہتی ہے بہن مر کے بقیعہ کی دوہائی — اماں مجھے برباد کیے جاتے ہیں بھائی
(۲۶)
شہ کہتے ہیں زینب شدنی ہے یہ جدائی — خالق نے کیا یاد قضا لینے کو آئی

یہ حکم سلاطین سے بھی ٹل نہیں سکتا
چلنے کے سوا عذر کوئی چل نہیں سکتا

اماں بھی بہت چاہتی تھیں نانا نبی کو | پر جب اجل آئی تو نہ چارا تھا کسی کو
ہم سب تھے پر روکا نہ ضربت نہ علی کو (۲۷) | اور زہر ہلاہل سے بچایا نہ اخی کو
سب سے یہی شیوہ ہے جہان گذران کا
دیکھے گا لحد جس نے شکم دیکھا ہے ماں کا

بے فوج سلیمان سکندر گئے زینبؑ | ایک ایک ہزاروں ہی میں گھِر گئے زینبؑ
دنیا سے اکیلے علیؑ اکبر گئے زینبؑ (۲۸) | بانو دیا ساتھ نہ ہم مر گئے زینبؑ
بچے کی رفاقت بھی نہ کی ہائے لحد میں
تنہا علی اصغرؑ کو سلا آئے لحد میں

وہ کہتی ہے بھائی کسے گھر بار کو سونپا | فرماتے ہیں شہ خالق مختار کو سونپا
یہ قافلہ سب عابدؑ بیمار کو سونپا (۲۹) | گھر فاطمہؑ کا حیدرؑ کرار کو سونپا
جب شمر ہمیں ذبح کرے بین نہ کرنا
خنجر کے تلے بھائی کو بےچین نہ کرنا

سر لاشۂ شبیرؑ پہ عریاں نہ کرنا | ماتم میں مرے چاک گریباں نہ کرنا
گردوں کے تلے بال پریشاں نہ کرنا (۳۰) | اُمت کے ستانے پہ کبھی دھیان نہ کرنا
غصہ شہ مرداں کا بھلا دیجیو زینبؑ
اماں کے تحمل پہ نظر کیجیو زینبؑ

یہ سُن کے سکینہؑ نے گریباں کیا پارا | چلائی کہ حضرت نے بھی کی موت گوارا
اب کون ہے اے قبلۂ حاجات ہمارا (۳۱) | شہ بولے خدا ہے نہ ہراساں ہو خدارا
بی بی کو تو بہلاتے ہیں سب رنج و محن میں

صغرا پہ کرو غور کہ تنہا ہے وطن میں

(۳۲)
جسکا نہ کوئی یار و مددگار ہو بیٹی — دنیا میں جو بے فوج کا سردار ہو بیٹی
اکبرؑ سے جواں کا جو عزادار ہو بیٹی — کیوں اپنی اجل پر نہ وہ تیار ہو بیٹی
اب حال نہ اپنوں کے لئے غیر ہو میرا
مانگو یہہ دعا خاتمہ بالخیر ہو میرا

(۳۳)
گھبرا کے پکاری وہ گرفتار مصیبت — اب مر گئے سب آ گئی اس گھر پہ قیامت
اے میرے جناب اے میرے بابا مرے حضرت — بچپن پہ سکینہ کے اب اتنی ہو عنایت
ناقہ دو نہ محمل دو نہ پانی نہ غذا دو
لیجا کے ہمیں نانا کے روضہ پہ بٹھا دو

(۳۴)
دانستے تو نہ بندی میں ہمیں لائینگے کفار — روضہ میں نبی کے تو نہ لوٹیں گے ستمگار
بھرا کے دم سرد بھرا شہ نے کئی بار — فرمایا کہ اے جان یہ ڈر بھی ہے دشوار
ناکوں پہ کئی کوس تلک فوج لعیں ہے
جز قبر کہیں جانے کی اب راہ نہیں ہے

(۳۵)
جانے دیں جفا کار تو لیجائیں ابھی ہم — نانا کی لحد پر تمہیں پہونچائیں ابھی ہم
مرتے ہوئے صغرا سے بھی مل آئیں ابھی ہم — تقدیر میں ہے حلق کو کٹوائیں ابھی ہم
ایسے نہیں بچھڑے کہ ملیں قبر نبی سے
تا حشر نہ اب ہوگی ملاقات کسی سے

(۳۶)
پھر عالم حسرت میں چلے شاہ دو عالم — اور گرد چلیں بیبیاں کرتی ہوئیں ماتم
مجموعۂ سادات ہوا درہم و برہم — نزدیک تھا تھرا کے گرے عرش معظم
رونا تھا قیامت تھا حرم زار و حزیں کا
اسوقت عزا خانہ تھا خیمہ شہ دیں کا

(۳۷)
بولا عمر سعد کہو اب تو ملی کل — ناحق کا یہ وسواس تھا بے وجہ کی ہل چل
جی چھوٹ گئے فوج کے افسر تھے معطل — مرنے کو حسینؑ آتے ہیں قصہ ہوا فیصل
ایسا کوئی حیدرؑ کے گھرانے میں نہیں ہے
حضرت سا اولوالعزم زمانے میں نہیں ہے

(۳۸)
یہ ذکر تھا جو نور کا مجمع نظر آیا — مجموعۂ قدرت کا مرقع نظر آیا
ہیبت دوسرا حسن کا مطلع نظر آیا — خورشید فقط شرم کا برقع نظر آیا
پریوں نے کہا باد بہاری نظر آئی
سرتاج سلیماں کی سواری نظر آئی

(۳۹)
ہر ایک طرف قدرت باری نظر آئی — کھلتے ہوئے گل باد بہاری نظر آئی
کونین کے سلطان کی سواری نظر آئی — اعدا نے کہا موت ہماری نظر آئی
یا شاہ نجف کہہ کے جو لشکر پہ جھکیں گے
ہم کیا ہیں فرشتوں سے ہمارے نہ رکیں گے

(۴۰)
عکس رخ پر نور سے رن بن گیا ایمن — فانوس کا پردہ ہے بیابان کا دامن
کلتے عوض شمع ہیں فانوس میں روشن — ہے دھوپ کی گرمی کہ ہر اک تختۂ گلشن
یہ دھوپ پہ عکس رخ گلرنگ پڑا ہے
یا تختۂ الماس پہ یاقوت جڑا ہے

(۴۱)
چمکار کے روکا فرس تیز قدم کو — اور شہ نے ندا دی عمر نحس شیم کو
او بے خبر آ سامنے کچھ کہنا ہے ہم کو — مکار نے لبیک کہا شاہ امم کو
استادہ ہوا خسرو جمہور کے آگے
ناری نے قیام آ کے کیا نور کے آگے

(۴۲)
کی عرض کہ حاضر ہے یہ خاطی یہ پشیماں — بسم اللہ اگر بیعت حاکم کا ہے ساماں

فرمایا کہ انجان نہ بن اب بھی مجھے جان ہیں تین سوال اُس میں جو سہل ہو وہ مان
یہ کہکے جواب بند کروں گا میں دہاں کو ۲
اُمت کے لئے حشر میں کھولوں گا زباں کو ۲

(۴۳)
نخوت سے کہا اُس نے کہو ہم نے رضا دی وہ بولے قریشوں کی حمیت بھی بھلا دی
تو نے ہمیں پانی نہ دیا ہم نے دعا دی اب راہ وطن دے کہ نکل جائے یہ بادی
روضہ کو پیمبرؐ کے عزا خانہ کروں گا
رو رو کے وہیں ماتم اکبرؑ میں مروں گا

(۴۴)
وہ بولا کہ یہ بات تو بندے نے نہ مانی تو مطلب ثانی کہو اے حیدر ثانی
فرمایا کہ اب قہر کی ہے تشنہ دہانی جلتا ہے کلیجہ ارے پانی ارے پانی
اللہ یہ روشن ہے پیمبر کا میں جو ہوں
سمجھو نہ امام ابن نبی فاطمہؑ تو ہوں

(۴۵)
منہ پھیر کے حضرت سے پکارا یہ وہ ظالم کھائی ہے قسم پانی پلانے کے نہیں ہم
حضرت کو بھی پیاس کا صدمہ ہے بہت کم اُس وقت مزا ہو گا کہ جب تڑپو گے پیہم
ہے بہر جہاں نہر کا تالاب کا پانی ۲
حضرت کے لئے خنجر بے آب کا پانی ۲

(۴۶)
گر آپ پیمبرؐ کے نواسے ہیں ہمیں کیا بچے شب ہفتم سے جو پیاسے ہیں ہمیں کیا
محروم جو سادات غذا سے ہیں ہمیں کیا مرینگے جو قتل شہدا سے ہیں ہمیں کیا
پانی کی حقیقت نہیں ہم تم کو نہ دیں گے
دکھلا کے بہا دیں گے مگر تم کو نہ دیں گے

(۴۷)
تھرا کے کہا شاہ نے ہم ایسے ہیں توبہ مہماں پہ روا ظلم و ستم ایسے ہیں توبہ
مجرم مرے نانا کے حرم ایسے ہیں توبہ ناموس شہنشاہ اُمم ایسے ہیں توبہ

محشر میں رسول دوسرا سے بھی یہ کہنا
جو ہم سے کہا آج خدا سے بھی یہہ کہنا

(٤٨)
کہہ دوں تو پگھل کر ابھی کہسار ہو پانی
جنگل میں ہر ایک ذرہ ہر اک خار ہو پانی
تیرے لئے دریا میں شرربار ہو پانی
اپنے لئے آتش سے نمودار ہو پانی
چاہوں تو ابھی غرق تحیر میں جہاں ہو
فوارہ مرے زخموں سے کوثر کا رواں ہو

(٤٩)
پر آب بقا سے بھی مجھے تو ہے کنارا
پیاسا مرا شش ماہہ زمانے سے سدھارا
اب قتل ہی منظور ہے تجکو جو ہمارا
تو حکم یہ دے فوج کو تو اے ستم آرا
تنہا یہ نہ سب ٹوٹ پڑیں چار طرف سے
ایک ایک لڑے حیدر صفدر کے خلف سے

(٥٠)
بے ساختہ ظالم نے کہا یہ بھی ہے دشوار
مطلب تو یہ ہے جلد ہوں بے سر شہ ابرار
ناگاہ بجے طبل کھنچے خنجر خونخوار
چلوں سے ملے تیر ہوئے لیس کماندار
دل کٹتا تھا رحم آیا نہ اپنے تن و سر پر
نامرد جھکے پھر شہ مرداں کے پسر پر

(٥١)
ڈنکے پہ لگی چوب علم ہو گئے بھالے
بڑھ آئے پیادوں سے سواروں کے رسالے
تلواریں لئے ہاتھ میں بھالوں کو سنبھالے
اک چاند کے چو گرد یہ عقرب تھے یہ ہالے
تھا معرکہ جو فاتح خیبر کے پسر سے
نتھنے تھے شجاعوں کے ہرن جان کے ڈر سے

(٥٢)
کاٹھی میں نہ ٹھہرا گیا شمشیر دو سر سے
وہ میاں سے نکلی کہ قمر برج قمر سے
خورشید نے کی جلوہ گری جیب سحر سے
رخشاں ہوا گوہر صدف فتح و ظفر سے
تھا ماہ دو ہفتہ کہ گہن سے نکل آیا

طاؤس خیابان چمن سے نکل آیا

طوفان سمٹ کر لب تنور سے نکلا — یا شور قیامت دہن صور سے نکلا
یہ حسن کا کلمہ لب جمہور سے نکلا — پھل نور کا شاخ شجر طور سے نکلا (۵۳)
خالی جو ہوا میان تو نقشے تھے غضب کے
منہ سانپ نے کھولا تھا نگلجانے کو سب کے

تھی جامہ سے باہر جو وہ تیغ شہ عالم — تن برہنہ اور سر نئی بیاہی کی طرح خم
شوخی میں غزال ختنی رعب میں ضیغم — پردہ میں منیژہ تو صف جنگ میں رستم (۵۴)
باہر جو ہوئی میان سے غل تھے یہ اجل کے
مردانہ دلہن تنتی ہے حجلہ سے نکل کے

تلوار کا بڑھنا تھا کہ سب رن سے پرے تھے — نوبت تھی نہ رایت نہ صفیں تھیں نہ پرے تھے
جوہر کھلے بیٹ میں گن جتنے بھرے تھے — بے فصل برابر چمن زخم ہرے تھے (۵۵)
جب سیر ہوئی شیر سے تو میوہ خوری تھی
پھر تیغوں کے پھل تھے یہ سناں تھی نہ چھری تھی

اس حسن سے تابندہ ہوئی تیغ حسینی — خوش ہو کے کہا فتح نے یا قرۃ عینی
بیدینوں کا ہے قتل تجھے واجب عینی — یہ کوفی و شامی ہیں وہ بدری و حنینی (۵۶)
مچھلی پہ ٹھہرنا نہ سر گاو زمیں پر
دم لیجیو بوسہ کے لئے عرش بریں پر

پھر موذیوں کا شعلہ چمکتا نظر آیا — کانٹا تھا کہ آنکھوں میں کھٹکتا نظر آیا
یا ناگ جہنم کا لپکتا نظر آیا — جوہر سے ہر ایک زہر ٹپکتا نظر آیا (۵۷)
جو دام میں جوہر کے پھنسا پھر نہ پتا تھا
ناگن کی طرح جس کو ڈسا پھر نہ پتا تھا

بجلی کی چمک شعلہ فشانی نے دکھائی
اور شمع کی لو چرب زبانی نے دکھائی
طوفان کی رت دھار کے پانی نے دکھائی (۵۸)
گھاٹوں پہ نئی سیر روانی نے دکھائی
تھی آگ بھی اور پانی بھی اس تیغ قضا میں
جل جل کے عدو بہ گئے دوزخ کی ہوا میں

اک جان دو قالب ہی مثل اہل سخن میں
اس تیغ دو پیکر کے تھے پیکر کئی رن میں
راکب کے بدن میں کبھی مرکب کے بدن میں (۵۹)
گہ خود میں گہ سر میں گہے چشم و دہن میں
یہ مردہ وہ بسمل یہ سر راہ عدم تھا
نو لاکھ کے قالب تھے اور اک تیغ کا دم تھا

اس صف کو اجاڑا وہ پرہ کر دیا سونا
شمشیر تھی یا قہر الٰہی کا نمونہ
چاٹا جو لہو کاٹ ہوا تیغ کا دونا (۶۰)
پر ننگ سمجھتی تھی وہ کفار کا چھونا
اللہ ری صفا صاف کیا غول عدو کا
دھبا نہ لگا دھار میں کافر کے لہو کا

جس صف پہ گری سیف صفائی نظر آئی
تل کر جو پڑی ضرب سوائی نظر آئی
ترکیب عناصر میں جدائی نظر آئی (۶۱)
نے شانہ نہ بازو نہ کلائی نظر آئی
بازو پہ جو تڑپی نہ کسی دوش پہ سر تھا
پہلو پہ جو چمکی تو نہ دل تھا نہ جگر تھا

اعدا کے اڑے ہوش نشانوں کے پھریرے
اور تیر یہ سہمے کہ نہ تلے یہ بھی ٹھہرے
دریا پہ نہ چوکی تھی نہ گھاٹوں پہ تھے پہرے (۶۲)
پانی ہوئے جاتے تھے نگہبانوں کے زہرے
اس تیغ کو جو تار رگوں سے لاگ لگی تھی
دریا کے کنارے بھی عجب آگ لگی تھی

شہباز اجل تیغ تھی اعدا تھے چکاوک (۶۳)
جز موت سر و تن کا خریدار نہ گاہک

چھلنی تھا جگر سینوں میں ڈھالیں تھیں مشبک — بوڑی تھی جدا چھڑ سے تو سوفار سے ناوک
چلے بھی کمانوں سے کشیدہ نظر آئے
دل اہل کبادہ کے کبیدہ نظر آئے

ان ناریوں سے تیغ شرر دم کو جو تھی لاگ — صحرا کرۂ نار تھا برسائی تھی یہ آگ
سرپاؤں سے کہتا تھا ارے بھاگ ارے بھاگ (۶۴) بل کھاتا ہے تن اپنا دہن میں لیئے وہ ناگ
ڈستے ہوئے لگ جاتی ہے اک آگ بدن میں
شعلہ غضب حق کا ہے اژدر کے دہن میں

عالم تھا تلاطم کا صف جنگ میں ہر سُو — جس تن کے مقابل ہوئی تیغ شہ خوشخو
ڈر ڈر کے نکل جاتا تھا دل چیر کے پہلو (۶۵) پنجہ سے کلائی تھی جدا شانہ سے بازو
بے ضرب عیاں فصل تھا وصل تن و سر میں
دھڑ لوٹتا تھا خاک پہ سر قعر سقر میں

تیزی کا یہ عالم اسے کاٹا اُسے مارا — غل اٹھتا تھا پیہم اسے کاٹا اُسے مارا
یاں سر لیا واں دم اِسے کاٹا اسے مارا (۶۶) حیران تھے اظلم اُسے کاٹا اُسے مارا
اس تیغ کے سائے کا زمیں میں جو گذر تھا
قبروں میں کسی مردے کی گردن پہ نہ سر تھا

گہ شعلہ کبھی برق جہندہ نظر آئی — گہ ناخن ضرغام درندہ نظر آئی
گہ صورت ثعبان گزندہ نظر آئی (۶۷) آب اُسکی مگر زہر کشندہ نظر آئی
رکنے کا کہوں ڈھنگ و یا چال کا عالم
تھا ابروئے شمشیر میں بھونچال کا عالم

غل تھا کہ عجب ضربت شمشیر دو دم ہے — لو مردہ پہلوان دمشقی کا قلم ہے
بسمل وہ یل روم ہے وہ ترک عجم ہے (۶۸) وہ خاک پہ ترکش وہ کبادہ وہ علم ہے

وہ تو وہ ہے تیروں کا وہ چلّہ ہے کماں کا
کاٹا ہوا خجل ہے وہ لشکر کے نشاں کا

(۶۹)
گر شرق میں خورشید کے مانند عیاں تھی — گہ غرب میں مثلِ مہِ نو جلوہ کناں تھی
گہ چرخ پہ روشن صفتِ کاہکشاں تھی — یہ تیغ کے پرتو تھے فقط خود وہ کہاں تھی
کب دیکھنے میں صورتِ سیفِ دوسرآئے
ہاں موت نظر آئے تو یہ بھی نظر آئے

(۷۰)
یاں شور وہاں غل اِدھر آئی اُدھر آئی — وہ چمکی وہ تڑپی وہ چھپی وہ نظر آئی
وہ تیر گئی خود میں وہ سر میں در آئی — گردن سے بڑھی سینہ لیا تا کمر آئی
بس اُسکا گھٹا تھا جو لیرانہ بڑھا تھا
منہ کی وہی کھاتا تھا جو منہ اُسکے چڑھا تھا

(۷۱)
توسن کا لقب ہے شہ جن قوم پری میں — شمّہ نہیں گرمی یہ نسیم سحری میں
پریوں سے بھی سبقت اسے تیز پری میں — دم اس کی ہے طاؤس جناں جلوہ گری میں
سرعت میں جو یہ نعل درآتش نظر آیا
خورشید بھی سیماب برآتش نظر آیا

(۷۲)
اک حسن کی تصویر تھا نک سکھ میں وہ توسن — دہرا بدن آہو کی نگہ شیر کی چتون
شہباز کا سینہ تھا تو طاؤس کی گردن — دم رشکِ مہِ سنبلہ سم بدر سے روشن
جادو تھا کہ اعجاز و کرامات تھا گھوڑا
چھل بل تھا چھلاوا تھا طلسمات تھا گھوڑا

(۷۳)
ہیں شش جہت اس رخش کی رفتار سے ششدر — درماندہ ہے دورِ فلک افسردہ ہیں اختر
خورشید و قمر اس کی رکابیں ہیں مقرر — جنبش دمِ جولاں ہوئی ساتھ اسکے جو دم بھر
مدت ہوئی گھوڑا تو نگاہوں سے نہاں ہے

اب تک حرکت دونوں رکابوں میں عیاں ہے

(۷۴)
آہو سے دو چند اس کے طرارے نظر آئے
سایہ جو پھرا ساتھ چکارے نظر آئے
آیا جو عرق ابر میں تارے نظر آئے
چل پھر فقط ابرو کے اشارے نظر آئے
یکتا ہوئے کل تین فرس دونوں جہاں میں
یہ رن میں ہے اور دلدل و رفرف ہیں جناں میں

(۷۵)
خورشید رکاب ایک ہے اور اک قمر اس کی
سمجھنے میں کوئی ہوئی وصلت مگر اس کی
چلنے میں مہ و خور سے جو بدلی نظر اس کی
پھر اس کو خبر ان کی نہ ان کو خبر اس کی
سرعت مہ و خور کو یہ سکھائی ہے اسی نے
دیکھی ہیں فلک سیر رکابیں بھی کسی نے

(۷۶)
ہر جست میں کف منہ سے جو شبدیز نے ڈالا
ہر مزرعہ ہستی میں پڑا قہر کا پالا
ساتھ اس کے پھرا یہ تو کیا چرخ نے نالا
سورج سے عیاں تھا کہ پڑا پاؤں میں چھالا
شبدیز فلک چلنے میں توسن سے ہٹے ہیں
کوچوں میں یہ پھرتا تھا وہاں کوچے کٹے ہیں

(۷۷)
دھنس دھنس گیا ٹاپوں کی دھمک سے سرِ قاروں
بس کہ سُمِ توسن سے جبل بن گئے ہاموں
خونریزی شمشیر سے خنجل ہوا گلگوں
ناگہ نظر شاہ گئی جانب گردوں
بولے کہ دم فرض قدیر ازلی ہے
اب ظہر کا ہے عصر کہ دو پہر ڈھلی ہے

(۷۸)
جلّائی قضا وعدہ وفائی کی گھڑی ہے
حملے کا نہ موقع نہ لڑائی کی گھڑی ہے
اب زینبؑ مضطر سے جدائی کی گھڑی ہے
دوزخ سے غلاموں کی رہائی کی گھڑی ہے
فردوس سے زہرا کے اب آنے کی ہے ساعت
دربار خداوند میں جانے کی ہے ساعت

پرمیاں میں آئی تھی نہ تیغ شہ والا — جو شیث نے مارا جگر پاک پہ بھالا
(۷۹) قلقے میں کلیجہ کا لہو منہ سے جو ڈالا — پھر آپ نہ سنبھلے یہ ہوا دل تہ و بالا
سجدے کی تمنا تھی جو زہرا کے خلف کو
مُنہ پھیر دیا گرنے میں قبلہ کی طرف کو

گرد شہ دیں چار ہزار آئے کماندار — جو گرد سے اک سینہ پہ کی تیروں کی بوچھار
(۸۰) اور خیمۂ عصمت کو بڑھا شمر ستمگار — لشکر کو پکارا کہ یہی وقت ہے ہشیار
تجویز یہ ظالم کی نرالی تھی جہاں سے
جلتی ہے زباں آہ کہوں کیا میں زباں سے

اللہ سدا اس کو جہنم میں جلائے — جس خیمہ میں جبرئیل امیں سر کے بل آئے
(۸۱) نیزے کئی اس خیمہ پہ ظالم نے لگائے — لشکر کو ندا دی کہ ترس کوئی نہ کھائے
یاں خیمۂ زرکار شبیر جلا دو
اس گھر کو مع صاحب تطہیر جلا دو

یہ وقت غنیمت ہے کبھی پا نہ سکیں گے — یوں بچ کبھی رانڈوں کو پہنچا نہ سکیں گے
(۸۲) بے بس ہیں حرم گھر سے کہیں جا نہ سکیں گے — شبیر ہیں نرغے میں یہاں آ نہ سکیں گے
یاں آگ وہاں تیروں کا باراں شہ دیں پر
یہ سیر بھی دیکھی ہے کبھی روئے زمیں پر

خیمہ کے جلانے کو ہوئے جمع جو مردود — دیکھا شہ مظلوم نے ہو کر غضب آلود
(۸۳) آواز دی یہ شمر کو او ثانی نمرود — باز آ ارے باز آ ابھی زندہ ہوں میں موجود
کس کو تو جلائے گا یہ کیا بے ادبی ہے
اس گھر میں کوئی اور نہیں آل نبی ہے

(۸۴) کیا ناریوں کو مکر سے بھڑکاتا ہے ناری — واللہ کہ ہے نور خدا آل ہماری

مانند خلیل اپنے بھی ہے رحمت باری — یاں آگ ہو گل اور دھواں ابر بہاری

جن کے لیئے مخلوق فقط رحمت رب ہے

منگواتا ہے آگ اُن کے لیئے کیا یہ غضب ہے

(٨٥)

بتلا تو جلائے گا کسے او ستم آرا — کبرا و سکینہ کے جلانے کا ہے یارا

یا زینبؑ بیکس پہ ہے یہ ظلم گوارا — یا عابد بیمار جو ہے پھول ہمارا

وہ رحم کے قابل ہے ستائیگا اُسے کیا

جلتا ہے بدن تپ میں جلائیگا اُسے کیا

(٨٦)

خیمہ کو نہ تو لوٹے گا کیا بعد ہمارے — باندھے گا نہ بچوں کا گلا بعد ہمارے

جو چاہیو کیجیو وہ جفا بعد ہمارے — لے لیجیو زینبؑ کی ردا بعد ہمارے

نانا کے حضور اِن سے جو منہ موڑ کے جاؤں

پردہ میں تو سیدانیوں کو چھوڑ کے جاؤں

(٨٧)

خیمہ نہ جلا اے سرِ شبیرؑ قلم کر — اُٹھ جاؤں میں دنیا سے تو زینبؑ کا کھلے سر

ناگاہ پکارا عمرِ سعد ستمگر — اس ظلم کے شایاں نہیں اولادِ پیمبرؐ

جب تک پسرِ فاطمہ کا سر نہ اُتارو

ناموسِ یداللہ کی چادر نہ اُتارو

(٨٨)

یہ سُنکے لعیں جانب فوج عمر آیا — یہ کہتا ہوا ادھر آیا اُدھر آیا

لو لشکریو خوش ہو کہ وقت ظفر آیا — بے سر کرو شبیرؑ کو ارمان بر آیا

جس کو کہ نبی زادے کا سر ہاتھ لگے گا

مفلس نہ کبھی ہوگا وہ زر ہاتھ لگے گا

(٨٩)

مکار یہ سنتے ہی پھنسے دام ہوس میں — داور سے پھرے آ گئے شیطاں کے بس میں

اک دم میں کیا وہ جو نہ ہو لاکھ برس میں — قتل شہ مظلوم پہ کھانے لگے قسمیں

شبیر کی اک جان کے گاہک تھے ہزاروں
اک سینہ تھا اور ظلم کے ناوک تھے ہزاروں

(۹۰)

فرزند حسنؑ کا جو تھا عبداللہؑ ذی جاہ
کی اس نے نظر خیمہ سے میدان کو ناگاہ
دیکھا کہ ہے شہ پہ یورش لشکر گمراہ
بس ہائے چچا کہہ کے بڑھا جانب جنگاہ
سیدانیوں میں غل ہوا فریاد و فغاں کا
زینب نے کہا واری ارادہ ہے کہاں کا

(۹۱)

مقتل کو نہ جا میں ترے صدقے ترے واری
تیار وہاں جنگ پہ ہے لشکر ناری
تم لڑنے کے قابل نہیں کیا عمر تمہاری
قاسم کی جوانی پہ ابھی کرتی ہوں زاری
دیکھو تو وہاں بانی بیداد کھڑے ہیں
تیغوں کو نکالے ہوئے جلاد کھڑے ہیں

(۹۲)

وہ بولا کہ رکنے کے نہیں ہم پھوپی اماں
ٹھہراؤ نہ گھر میں ہمیں اسدم پھوپی اماں
تنہا ہیں کھڑے قبلۂ عالم پھوپی اماں
غمخوار کوئی اب ہے نہ ہمدم پھوپی اماں
رکنے کا نہیں سینہ میں جب تک مرا دم ہے
اسوقت چچا پاس نہ جاؤں تو ستم ہے

(۹۳)

یہ کہہ کے چلا رن کی طرف ابن حسن آہ
پہنچا جو قریب شہ دیں غنچہ دہن آہ
دیکھا کہ ہے مجروح وہ آوارہ وطن آہ
تیروں سے قبا ٹکڑے ہے پرزے ہے بدن آہ
سینہ سے لپٹ کر کہا کیا حال ہے حضرت
منہ زرد ہے اور خون سے بدن لال ہے حضرت

(۹۴)

ہیہات ابھی ختم ہوئی تھی نہ یہ گفتار
جو حرملہ آیا وہاں تولے ہوئے تلوار
اور غصہ سے چاہا کہ سر شہ پہ کرے وار
ہاتھوں کو سپر کر دیا معصوم نے یکبار
بولے کہ چچا جان پہ میرے نہ ستم کر

حاضر ہے مرا سر مری گردن کو قلم کر

عادل ہے خدا بھول نہ تو عدل خدا کو / کیا ذبح کرے گا مرے مظلوم چچا کو

(٩٥) یہ سنتے ہی پیار آ گیا شاہ شہدا کو / اور سینہ سے لپٹا لیا اُس ماہ لقا کو

فرمایا جو گذرے وہ گذر جانے دو بیٹا
آئی ہے بلا صبر کرو آنے دو بیٹا

(٩٦) جب رہ گیا پر منہ کو حمایت سے نہ موڑا / ملعون نے اُدھر تیر ستم چلّے میں جوڑا
زہ کر کے کماں تیر کو اس طرح سے چھوڑا / بچے کا گلا چھید کے دل شاہ کا توڑا

گردوں پہ گئی آہ شہ تشنہ دہن کی
تھرانے لگی قبر مدینہ میں حسن کی

(٩٧) کھلا کے گرا پھول رسالت کے چمن کا / مچھلی سا تڑپنے لگا فرزند حسن کا
اور سرد ہوا ہائے ہر اک عضو بدن کا / اودے ہوئے لب بھر گئی لو ڈھل گیا منکا

دم نکلا گلے سے کہ لہو بہہ گیا ہے ہے
منہ دیکھ کے سکتے میں چچا رہ گیا ہے ہے

(٩٨) زینب در خیمہ سے یہ رو رو کے پکاری / آباد کیا پہلوئے قاسم کو میں واری
پیارے نے بھی جان اپنی چچا جان پہ واری / ہے ہے نہ دلھن آئی اجل آئی تمہاری

ملنے کو شہیدوں سے مری جان سدھارے
لیکن یہ غضب ہے کہ بڑے ارمان سے پالے

(٩٩) خیمہ سے پھرے رن کی طرف بانی بیداد / اور ٹوٹ پڑا شاہ پہ سب لشکر جلّاد
اک شیر نیستان علی سیکڑوں صیاد / ہاں نیزۂ بیداد وہاں خنجر فولاد

بڑھ کر قدر اندازوں نے دکھلایا ہنر کو
غربال کیا سینے کو پہلو کو جگر کو

تھا سنگدلوں کو جو نبی زادے سے کینہ ‏ (۱۰۰) ‏ برساتے تھے پتھر بھی سوئے شاہ مدینہ
سب توڑتے تھے مہر نبوت کا نگینہ ‏ ‏ خشکی میں ڈبوتے تھے پیمبر کا سفینہ
وہ دھوپ کی ایذا کسی مجروح سے پوچھو
شبیر سے یا فاطمہ کی روح سے پوچھو

پہلو میں نہ قاسم تھے نہ ہمشکل نبی پاس ‏ (۱۰۱) ‏ بن ہاتھ کے دریا پہ پڑے سوتے تھے عباس
گرد شہ والا تھی فقط بیکسی و یاس ‏ ‏ تالو سے زباں لگ گئی کس قہر کی تھی پیاس
دل سینے میں ہلتا تھا بدن کانپ رہا تھا
بالیں پہ رہوار کھڑا ہانپ رہا تھا

فرماتے تھے اعدا سے ارے پانی پلاؤ ‏ (۱۰۲) ‏ وہ کہتے تھے کوثر سے کوئی جام منگاؤ
چلاتے تھے مولا کہ ترس زخموں پہ کھاؤ ‏ ‏ وہ کہتے تھے عباسؑ اور اکبر کو بلاؤ
کیا بغض تھا بے رحموں کو شاہ مدنی سے
زخموں پہ چھڑکتے تھے نمک طعنہ زنی سے

پیدا ہوئے آفاق میں آثار تباہی ‏ (۱۰۳) ‏ چھائی فلک و ارض پہ یک دفعہ سیاہی
موقوف فرشتوں نے کیا ذکر الٰہی ‏ ‏ مقتل کو ہوئے چار ہزار ان میں سے راہی
سر کھولے ہوئے ماتم سلطان زمن میں
پر نوچتے منہ پیٹتے وارد ہوئے رن میں

دیکھا کہ زمیں پر ہے پڑا تاج امامت ‏ (۱۰۴) ‏ سر پر بنی آدم کے ستم سے ہے قیامت
کہنے نہیں دیتے ہیں نمازی کو اقامت ‏ ‏ ہر بار قلم کرتے ہیں طوبیٰ سا وہ قامت
سینے سے سناں منہ سے زباں نکلی ہوئی ہے
خیمے سے بہن قبر سے ماں نکلی ہوئی ہے

دیکھا کہ ہے نرغے میں ہے جگر بند پیمبر ‏ (۱۰۵) ‏ باقی کوئی ہمدم نہیں غیر از دم خنجر

گہ غش میں گئے ہوش میں ہے نائب حیدر
شق ہو کے زباں منہ سے نکل آئی ہے باہر
ہے خون جراحت کا تو مخلوط عرق میں
بالائے زمیں نیر اعظم ہے شفق میں

(١٠٦)
منہ پیٹ کے سب نے سر تسلیم کیا خم
چلائے علیک الصلوات اے شہ عالم
بس ہے ترے قاتل کو بنی آدم
ہو مرضی اقدس تو انہیں قتل کریں ہم
کونین میں شہزادہ جبریل امیں ہو
جبریل تو ہو سدرہ پہ تم خاک نشیں ہو

(١٠٧)
قابیل نے ہابیل کا جو خون بہایا
نہلایا بھی کفنایا بھی مدفن بھی بنایا
یہ بھی بنی آدم ہیں پہ رحم اتنا نہ کھایا
بسمل تو کیا اور نہ لاشوں کو اٹھایا
جنت میں فرشتوں سے خجل ہوتے ہیں آدم
ہفتم سے جو زادوں کے لئے روتے ہیں آدم

(١٠٨)
لکھا ہے کہ دو دو در سید دل کو دلاسا
قرآن کا بھی انہیں کوئی شناسا
آدم کا شرف فخر ملائک کا نواسا
اور ہائے غضب تین شب و روز کا پیاسا
پتھر ہیں جگر ان کے یہ انسان ہیں کیسے
کافر بھی نہ ہوں گے یہ مسلمان ہیں کیسے

(١٠٩)
حضرت نے کہا میری مروت سے ہے یہ دور
انسان نظر آتے ہیں ملک آنکھوں سے مستور
قطع نظر اسکے مجھے احسان نہیں منظور
سب کچھ مرے مالک نے دیا ہے مجھے مقدور
ممکن نہیں شبیر تمہیں حکم وغا دے
پوچھا ہے مجھے اس دکھ میں خدا تم کو جزا دے

(١١٠)
ہر چند فرشتوں نے کیا شاہ سے اصرار
یہ کل کا مددگار نہ راضی ہوا زنہار
انکار سے حضرت کے ملک ہو گئے ناچار
کی عرض کہ مجبور ہیں ہم آپ ہیں مختار

خیر آپ نے جانے کو کہا جاتے ہیں حضرت
پر حکم خدا لے کے ابھی آتے ہیں حضرت

یہ کہکے فلک پر گئے ساکن وہ فلک کے — اور حشر کیا تاج مقرب کو ٹپک کے
(۱۱۱)
کی عرض جناب احدی میں یہ ملک کے — مشتاق ہیں امداد شہِ جن و ملک کے
نو لاکھ کی تیغیں ہیں اور اک اس کا گلا ہے
بیمار ترے پیارے کا گرفتار بلا ہے

پوشاک جسے عید کے دن تو نے عطا کی — پرزے ہی قبا تیروں سے اس شاہ ہدا کی
(۱۱۲)
جو لوٹتا تھا چھاتی پہ محبوب خدا کی — آج اسکا بچھونا ہے زمیں دشت بلا کی
ایسی کسی بسمل کو اذیت نہیں دیتے
جلّاد تڑپنے کی بھی مہلت نہیں دیتے

ہم فرطِ محبت سے گئے تھے کئی باری — نیا کیا نہ کہا پر نہ سنی ایک ہماری
(۱۱۳)
تجھ پر ہے توکل اُسے اے خالق باری — فرمان مدد کر تو ہمارے لئے جاری
پھر جانب مقتل ابھی پرواز کریں ہم
جا کر مددِ شاہ سرافراز کریں ہم

آئی یہ ندا جاؤ اجازت ہے خدا کی — امداد کرو مالک تسلیم و رضا کی
(۱۱۴)
پائی جو فرشتوں نے رضا ربّ ہدا کی — بیساختہ پرواز سوئے دشت و بلا کی
یہہ شوق مددگاری شاہ دوجہاں تھا
رستے میں انہیں سانس کا لینا بھی گراں تھا

افسوس فرشتوں کو رہی حسرت امداد — رستے میں خبر پائی کہ زہرا ہوئیں برباد
(۱۱۵)
وارد ہوئے رن میں تو نظر آئی یہ روداد — سر کاٹ کے سید کا لئے جاتا ہے جلّاد
زہرا و پیمبر نے کفن خون میں بھرے ہے

منہ اپنا علی حلق بریدہ پہ دھرے ہیں

چلاتی ہے خواہر مرے بھائی مرے بھائی ۔ اک کشتۂ خنجر مرے بھائی مرے بھائی
ہے ہے مرے بے سر مرے بھائی مرے بھائی (۱۱۶) اب مر گیا سب گھر مرے بھائی مرے بھائی
کیوں بھائی سفر میں یہی وعدہ تھا بہن سے
لاشے پہ رلاؤں گا تجھے لا کے وطن سے

ہے ہے مری ماں کی مرے بابا کی کمائی ۔ لوٹی ملک الموت نے امت لے لٹائی
ویرانے میں بستی مرے نانا کی بسائی (۱۱۷) شستم ہے کہ موت آئی مجھے موت نہ آئی
وارث رہے میدان میں نہ بچے رہے گھر میں
کیا ہو گیا ہے یہ غضب تین پہر میں

آئے تھے مدد کو وہ فرشتے جو زمیں پر ۔ صف باندھ کے رونے لگے لاش شہ دیں پر
پھر حق سے کہا شہ کا لہو مل کے جبیں پر (۱۱۸) یارب کے نہ صدقے ہوئے اس عرش بریں پر
ہم چشموں کو منہ اب تو دکھایا نہیں جاتا
کیا حکم ہے گردوں پہ تو آیا نہیں جاتا

پیدا ہوئی آواز کہ اب حق کا ہے فرماں ۔ تا دفن رہو لاشۂ بے سر کے نگہباں
تعمیر ہو جب مقبرۂ شاہ شہیداں (۱۱۹) روضے میں کرو ماتم شبیر کا ساماں
احسان خدا کا ہے یہ ہے حکم خدا کا
دو اس کے محبوں کو ثواب ایک بکا کا

کیا تم کو دبیر اور مضامین بتائیں ۔ ہر بند پہ دیتے ہیں عزادار دعائیں
اللہ کرے ہم بھی اب اس روضے پہ جائیں (۱۲۰) یہ مرثیہ پڑھ پڑھ کے فرشتوں کو سنائیں
دنیا میں اگر دولت عقبیٰ ہے تو یہ ہے
باقی مرے دل میں جو تمنا ہے تو یہ ہے

تمام شد